GENIUS

By

ANWAR JALAL

جینئس

انور جلال

جینئس

انارکلی کتاب گھر، لاہور

پہلی بار جنوری ۱۹۵۳ء

پرنٹر سویرا آرٹ پریس لاہور
پبلشر انارکلی کتاب گھر لاہور

انور جلال
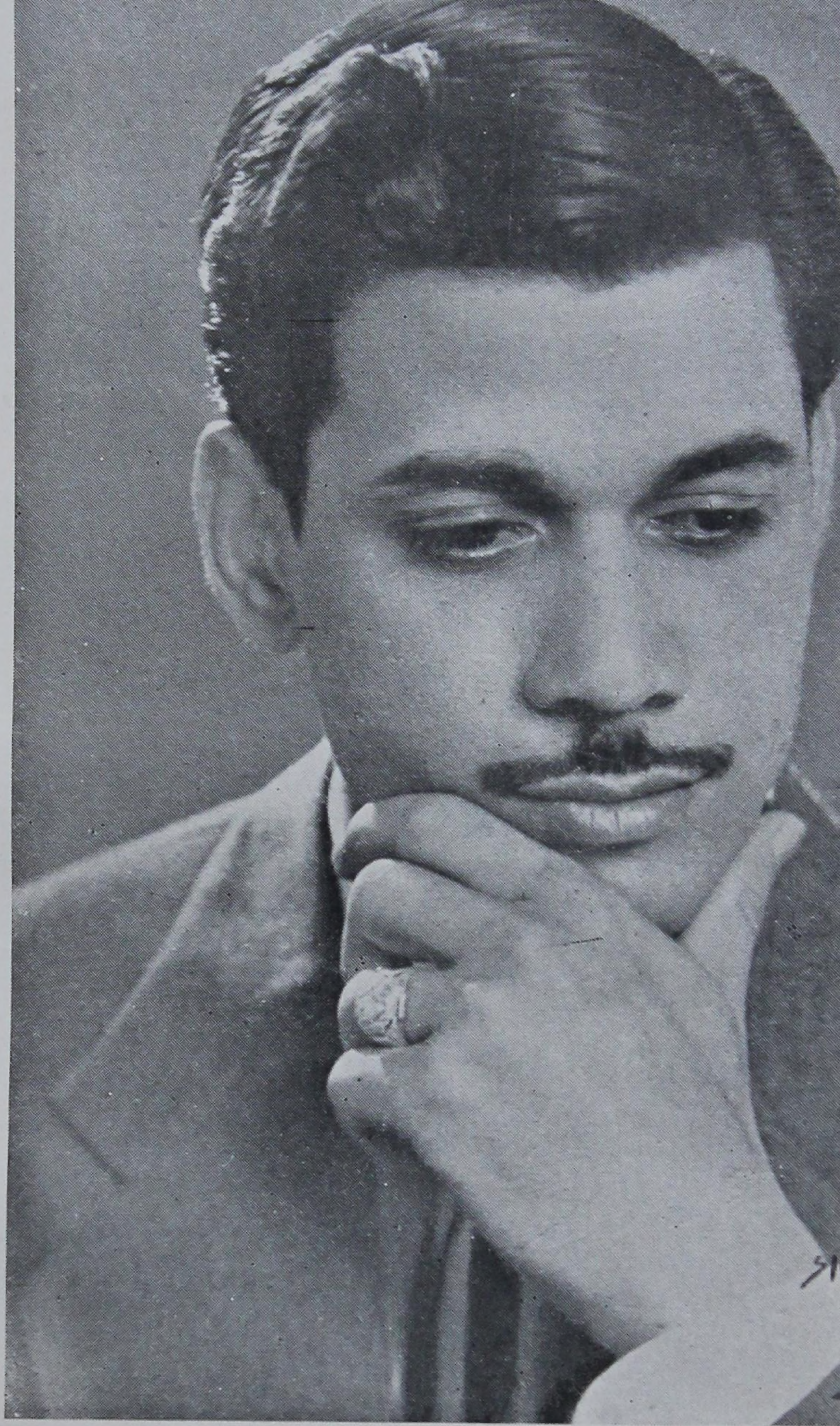
اپنے دوست

کیپٹن ارشد کے نام

جو شیکسپیئر پڑھ پڑھ کر
ایم بی بی ایس ہو گیا

سٹریٹ لمپ نے کہا ــــــــــ

منصور بھی ایک سٹریٹ لمپ ہے جو سڑک کے کنارے نیم مردہ روشنی میں اونگھ رہا ہے اور حالات کے بھدّے پتنگے اس کے گرد چکّر کاٹ رہے ہیں ۔

کُتّے نے کہا ــــــــــ

منصور میرا دوست ہے کیا ہوا جو اس کی شکل مجھ سے نہیں ملتی یا اس کے نحیف و نزار بدن پر دُم نہیں ۔

درخت نے کہا ــــــــــ

منصور میاں! تم میرا پیغام اس ظالم کیڑے تک پہنچا دو جو انسان کہلاتا ہے ۔

منصور نے کہا ــــــــــ

نہیں نہیں ــــ انسان ظالم نہیں ــــ مظلوم ہے سب سے بڑا ظلم تو یہ ہے کہ یہ انسان بننے کی کوشش کرتا ہے ۔

ترتیب

منصور میرا دوست!

اس کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں، چلتے پھرتے بازاروں یا ویرانوں میں یا باغ کے تنہا گوشوں میں لمبی اور کشادہ سڑکوں پر اور تنگ و تاریک گلیوں میں جہاں کہیں وہ گذر رہے گا پکار پکار کر ہاتھ نچا نچا کر آپ کو اور آس پاس کے ہر جاندار کو یہ بتاتا چلے گا کہ وہ جینئس ہے ممکن ہے کہ آپ اُسے کبھی نہ ملیں لیکن یہ ناممکن ہے کہ آپ اس کو نہ جانتے ہوں باتوں باتوں میں وہ کوئی ایسی بات ضرور کہہ جائے گا کہ اس کی شخصیت کا اظہار ہو جائے، رات کو گیارہ بجے چڑیا گھر کی جالی سے لپٹ لپٹ کر دھاڑیں مارتا ہوا وہ آپ کو ملے گا اور دردناک لہجے میں چوکیدار کی خوشامد کر رہا ہوگا کہ اس کی جگہ مال روڈ

نہیں سنیما اور ریستوران نہیں شہر کی پر رونق سڑکیں نہیں بلکہ چڑیا گھر
ہے اور اگر چڑیا گھر کے رہنے والے برا نہ مانیں تو وہ وہیں آ کر ہمیشہ کے لئے
رہ پڑے یا پھر شہر کی آبادی سے دور جھیل کی پیچھے والی عمارت کا ذکر اس
عقیدت کے ساتھ کرے گا جیسے وہ اس کا وطن ہے اور آپ کے ساتھ وہ
اجنبی شہر میں گھوم رہا ہے جہاں اس کی بات کوئی نہیں سمجھتا جہاں وہ
کسی کو نہیں پہچانتا یا پھر چاندنی راتوں میں وہ اپنے کمرے کے تمام کواڑ
بند کر کے کوئی افسانہ لکھ رہا ہوگا جس میں چاندنی رات کی رعنائیوں کا دلگداز
تذکرہ ہوگا یا پھر آپ اس کو چوراہوں پر کھڑے ہوئے اونچی آواز میں تقریر کرتے
ہوئے سنیں گے جس میں سیاست سے لے کر حسن و عشق تک کے
معاملات ہوں گے اور آپ جتنی دیر تک تقریر سنتے رہیں گے یہ نہ محسوس کر
سکیں گے کہ بات عنوان سے ہٹ گئی ہے یا عنوان بدل گئے ہیں یا یہ کہ الفاظ
کا سرمایہ ختم ہو رہا ہے یا ہونے والا ہے اور بہت ممکن ہے کہ تقریر سننے
کے بعد آپ اس کی قابلیت، بولنے کے انداز اور وسعت معلومات کے
قائل ہو جائیں لیکن اگر آپ نے کبھی اس سے اپنے ان جذبات کا اظہار کیا تو
وہ نہایت حقارت آمیز نگاہوں سے مسکراتے ہوئے آپ کو دیکھے گا اور

عین ممکن ہے کہ آپ اس کے کچھ نہ کہنے پر بھی یہ سمجھ لیں کہ اس نے آپ کو کوئی بہت بڑی گالی دی ہے۔

اس کی باتوں کا لوگ برا نہیں مانتے اس کی کئی وجہیں ہیں ایک یہ کہ لوگ جانتے ہیں کہ وہ جینئیس ہے اور دوسری یہ کہ وہ کبھی سنجیدہ بات سنجیدگی سے اور غیر سنجیدہ بات ہنستے ہوئے نہیں کہتا وہ مسکرا مسکرا کر گالیاں دے گا لبسورتے ہوئے آپ سے اظہار خلوص کرے گا اور جب آپ اس کے منہ سے کچھ سننا چاہیں گے تو وہ خاموش ہو جائے گا اور جب آپ باتیں کرتے کرتے اور سنتے سنتے تھک جائیں گے اور دل سے چاہیں گے کہ ہوا کی سرسراہٹ قدموں کی آہٹ قہقہوں کی گنگناہٹ اور بہت سے لوگوں کی باتوں کا شور ایک دم سے رک جائے اور پر رونق محفل پر ایک مقبرے کی سی کیفیت طاری ہو جائے تو اچانک وہ بھاری اور گھمبیر آواز میں الفاظ پر زور دیتے اور الفاظ کو چباتے ہوئے سنجیدگی اور غیر سنجیدگی کے امتزاج کے ساتھ بولنا شروع کر دے گا دھیمی آواز بلند اور بلند آواز ناگوار حد تک اونچی ہوتی چلی جائے گی اور آپ اپنی ہستی سے پریشان اور تقدیر سے نالاں ہو کر چاہیں گے کہ یا تو اس کا گلا گھونٹ دیں یا پھر اپنے کپڑے پھاڑ کر جنگل کی راہ

لیں اور اگر کہیں اسے آپ کی اس کیفیت کا علم ہو گیا تو وہ اپنی باتیں اور
زیادہ تیزی سے اور زیادہ بھاری آواز میں اور زیادہ اعتماد کے ساتھ جاری
رکھے گا لیکن آپ یہ چاہیں کہ وہ آپ کا پیچھا چھوڑ دے تو یہ ناممکن ہے لیکن
اگر آپ نے اس کی باتوں کو پورے خلوص سے سننا شروع کر دیا اور جا و بے جا
اپنی دلچسپی کا اظہار کیا تو وہ ایک دم سے خاموش ہو کر آپ کو غور سے دیکھے گا
جیسے وہ یہ ڈھونڈھنے کی کوشش کر رہا ہو کہ آپ کی دلچسپی میں طنز اور مزاح
کس قدر ہے اور اگر اس کے حساب سے آپ میں یہ جذبہ پایا گیا تو
اس کو کوئی بڑا ضروری کام یاد آ جائے گا اور وہ تیزی سے آپ سے رخصت
ہو جائے گا اور عین ممکن ہے آپ اس کے کرسی سے اٹھنے ہاتھ ملانے دوا
جملے کہنے اور کمرے سے باہر نکل جانے میں کوئی امتیاز نہ کر سکیں۔
جینئیس ہر زمانے ہر ماحول اور ہر موسم میں پایا جاتا ہے اور یہ بیک وقت
زندگی کے کئی شعبوں میں جلوہ فرما نظر آتا ہے جو لوگ اس کی ہستی کو جانتے
اور پہچانتے ہیں ان پر یہ اخلاقی فرض ہے کہ وہ اور لوگوں کو اس ہستی
سے روشناس کرائیں اور یہ اخلاقی فرض مجھے ایک جینئیس ہی نے بتایا ہے
اور اس اخلاقی فرض سے سبکدوش ہونے کے لئے میں اس کا تعارف آپ

سے کروانا چاہتا ہوں۔

میرے جینئس دوست کا نام منصور ہے منصور کپڑے نہیں پہنتا بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کپڑے منصور کے پیچھے پیچھے خوشامد کرتے ہوئے بھاگ رہے ہوں کہ یہ اُن کے لئے سب سے بڑی سعادت ہے کہ اگر منصور اپنے تن پاک کو ان سے ڈھانپ لے لیکن کبھی کبھی ایسا بھی محسوس ہوتا ہے جیسے منصور کو یہ یاد آگیا ہے کہ آدمی کو کپڑے بھی پہننے چاہئیں تو اس دن منصور سے زیادہ اس کے کپڑے خوش نظر آتے ہیں۔

منصور اگر منصور نہ ہوتا تو خوبصورت ہوتا اس کی ستواں ناک بھرے بھرے ہونٹ کشادہ پیشانی اور عینک کے پیچھے سے جھانکتی ہوئی غلافی آنکھیں اگر کسی اور چہرے پر لگا دیجئے تو خوبصورت معلوم ہوگا لیکن منصور ان چیزوں سے شاید نفرت کرتا ہے شاید ان کی اہمیت نہیں جانتا شاید اپنے آپ کو ان سے اہم تصور کرتا ہے۔ سنا ہے پچھلے سال جنوری کی نو تاریخ کو صبح ہی صبح اسے خیال آیا کہ مسلسل سترہ دن سے اس نے منہ نہیں دھویا اور جنوری کی تیرہ تاریخ تک وہ مستقل منہ دھوتا رہا اس زمانے میں اس کے ملنے والوں نے منہ کے دھلنے سے آدمی کی صحت پر مختلف اثرات

کے متعلق طویل اور پر مغز تقریریں سنیں۔

منصور کے جسم میں کوئی عیب نہیں یوں سڑک پہ جا رہا ہو تو محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی کل ٹھیک نہیں ہاتھ بے جان سے ہلتے ہوں گے اور کمر نے کوہان کی صورت اختیار کر لی ہو گی ٹانگیں جیسے ایک دوسرے سے خفا خفا سی ہوں گی اکثر منصور فخر سے کہتا ہے کہ میں اپنی چال چلتا ہوں لیکن مجھے ایک بات کا شدید افسوس ہے کہ سمجھدار ہوتے ہوئے بھی اونٹ میری نقل کرتا ہے اور بعض دفعہ وہ آپ کو عینک دیکھا واقعہ سنائے گا کہ کس طرح ایک اونٹ نے مڑ مڑ کر اسے چلتے ہوئے دیکھا تھا۔

منصور کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ اسے دیکھ کر کوئی یہ نہیں بتا سکتا کہ وہ ہنس رہا ہے یا رو رہا ہے اس کے قہقہوں میں ہچکیاں ہوتی ہیں اور ہچکیاں قہقہہ معلوم ہوتی ہیں اس کی آنکھوں میں آنسو کسی نے نہیں دیکھے اپنے دوستوں میں کسی کو آنسوؤں سے روتا دیکھتا ہے تو جھنجلا کر کہتا ہے مجھے آدمی کی یہ بات بالکل زہر لگتی ہے کہ وہ جانوروں کی نقل اتارنے کی سعی لاحاصل کرتا ہے آنسو صرف مگرمچھ کو سجتے ہیں۔

منصور کے چہرے کا رنگ کیا ہے یہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا مگر

زیادہ تر اس کے چہرے پر زردی میں ملا ہوا سانولہ پن نظر آتا ہے بالوں کو وہ ایک خاص ترتیب سے پریشان کرتا ہے حجامت بنواتے وقت وہ نائی کو سخت ہدایات دیتا ہے کہ وہ بال اس طرح ترلشے کہ کسی کو آنکھوں آنکھ خبر تک نہ ہو۔

منصور بس میں سفر کرنے کا قائل نہیں اس کا خیال ہے کہ بس آدمی کی بے بسی کا اظہار ہے پیدل چلنے کو وہ اس لئے بھی ترجیح دیتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں سے وہ مل سکے اور نہ زیادہ سے زیادہ لوگ اسے دیکھ سکیں آپ سے اگر منصور کا تعارف ہے تو آپ یقینی طور پر کبھی نہیں کہہ سکتے کہ منصور آپ کو کب پہچانے گا اور کب بیگانہ نگاہوں سے دیکھتا ہوا آپ کے بالکل سامنے سے گزر جائے گا گرمی کے زمانے میں عین دوپہر کے وقت وہ بڑے اطمینان سے پیدل چلتا ہوا نظر آئے گا سایوں سے بچتا اور کوستا۔ ——— اگر کسی واقف کار یا شناسا پر نظر پڑ جائے گی تو فوراً اسے پہچان لے گا بڑے خلوص سے معانقہ کر کے۔ نہ ملنے کی شکایت کرے گا اور سائے سے بچ کر دھوپ میں گھنٹوں کھڑا کر کے دوستی کے آداب، زندگی کے تکلفات، معاشرت کے ارتقا اور تمدن کی روایت پرستی پر نہایت اطمینان سے بولتا

رہے گا۔ اور اگر آپ نے ذرا بھی توجہ ہٹانا چاہی تو آپ کو زبردستی متوجہ کیے گا یہاں تک کہ یا تو آپ کا پسینہ آتے آتے انتقال ہو جائے یا کم از کم اتنے شدید بیمار ضرور ہو جائیں کہ کافی دن تک منصور کو کوستے رہیں اور اگر کہیں منصور کو آپ کی اس کیفیت کا علم ہو جائے کہ آپ اس پر دنیا کی بہترین لعنتیں بھیجتے ہیں تو وہ کئی دن تک اسی تصور سے خوش رہے گا۔

منصور کو مختلف قسم کے دورے پڑتے ہیں پچھلے دنوں اسے چلنے کا دورہ پڑا اور پورے لاہور کے چکر سے جب طبیعت سیر نہ ہوئی تو وہ پیدل گوجرانوالہ چلا گیا اور پندرہ دن کے بعد مجھے اس کا ایک خط ملا جو اس نے میو ہسپتال کے گوہا بیرک سے لکھا تھا اس کے پاؤں میں زخم ہو گئے تھے وہ تیرہ دن مسلسل بغیر رکے چلتا رہا تھا اور لائلپور کے قریب سڑک پر بیہوش پایا گیا یہاں سے ایک فوجی لاری اسے ہسپتال لے گئی۔

ایک زمانے میں منصور کو پڑھنے کا دورہ پڑا کمرے کی ہر چیز ہٹا دی گئی فرش پر چٹائی، چٹائی پر گدا، دو نرم اور موٹے تکیے، چار پانچ ایش ٹرے، ٹیبل لمپ اور چاروں طرف کتابیں ہی کتابیں سجا دی گئیں۔

اس زمانے میں منصور کو نیند نہیں آتی تھی۔ اس کی صحت گرتی جا رہی تھی

میں نے وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ اسے پچھلے گیارہ دن سے ایک منٹ کے لئے بھی نیند نہیں آئی اور نیند نہ آنے کی وجہ یہ بتائی کہ آنکھیں بند کرتے ہی اسے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اس کے بستر کے چاروں طرف کتابوں کے مصنف مثلاً شکسپیئر، ایچ۔ جی ویلز، کنفیوشس، ٹالسٹائی، آسکر وائلڈ، بقراط، اور جانے کون کون بیٹھے ہیں وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھتا ہے اور ان سے اپنی الجھنیں بیان کرتا ہے جنہیں حتی المقدور وہ صاف کرتے ہیں اور صبح تک نہایت علمی بحث جاری رہتی ہے محلے کے رہنے والوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ اس کے کمرے سے رات کو مختلف آوازیں سنائی دیتی ہیں جن میں سے ایک منصور کی آواز یقینی ہے۔

منصور کو باتیں کرنے کا دورہ پڑے تو خدا سے دعا مانگئے کہ آپ کے سامنے نہ پڑے اس زمانے میں خلوت وجلوت موقعہ اور بے موقعہ آبادی اور ویرانے بازار اور قبرستان رات اور دن ہر جگہ اور ہر وقت آپ اسے باتیں کرتا ہوا پائیں گے وہ نہایت انہماک سے یوکلپٹس کی ٹہنیوں کی نزاکت پر بول رہا ہوگا بجلی کے کھمبوں سے گھنٹوں بحث میں مشغول نظر آئے گا سڑک پر گھومنے والے کتوں کو جھک کر سلام کرے گا اور گھریلو کتوں کی طرف

حقارت سے دیکھ کر کہے گا مجھے اس بورژوائی طبقے سے سخت نفرت ہے
میں عوام کا ایک ہر دلعزیز فرد ہوں وہ دیر تک بازاری کتوں سے ان کے
بال بچوں کی خیریت دریافت کرے گا اس زمانے میں وہ آدمی سے آدمی
کی بات نہیں کرتا انہیں صرف یہ بتاتا ہے کہ دنیا کی اور ساری مخلوق ان
سے بہتر ہے اور دوران گفتگو میں لارنس کے بڈھے پیپل، مال کے بجلی کے
کھمبے، چیرنگ کراس کی فٹ پاتھ لورینگز کے آگے کھڑی ہوئی موٹریں فری
میسن ہال کے باہر کے یوکلپٹس کے اس طرح حوالے دے گا جیسے ان سے
اس کے دیرینہ تعلقات ہیں اور یہ بھی کہ وہ اس کو زندگی کے ایسے ایسے نکات
سمجھاتے ہیں جنہیں آدمی کا دماغ سمجھنے سے قاصر ہے اس زمانے میں وہ زیادہ
لارنس باغ میں چڑیا گھر کے قریب پایا جاتا ہے آپ اگر کہیں اس سے ٹکرا گئے
تو وہ ٹہلتے ہوئے کسی درخت کو جھک کر سلام کرے گا کسی سے بے تکلفی سے
پیش آئے گا اور کسی سے آنکھیں چرائے گا اس کا کہنا ہے کہ درختوں میں آدمی سے
زیادہ آدمیت اور انسان سے زیادہ انسانیت ہوتی ہے لیکن ان کی صحبت
نے بعض درختوں کو خراب کر دیا ہے وہ بڑی حقارت سے بانس کے درخت
کا ذکر کرے گا جس نے اس سے یہ کہا تھا کہ منصور تمہاری شکل کچھ کچھ آدمیوں

سے ملتی ہے ۔

ان دوروں کے علاوہ اس پر ایک اور بھی نہایت خوفناک دورہ پڑتا ہے کبھی وہ عام آدمیوں کی طرح شریف اور بہت عمدہ لباس میں کسی بڑی ہی جاذبِ نظر لڑکی کے ساتھ نہایت عمدہ اور بارونق محفلوں میں نظر آتا ہے، ہلکی پھلکی باتیں کرتا ہوا مسکراتا اور گنگناتا ہوا لیکن وہ کوئی ایسی بات ضرور کرے گا جس سے اس کی شخصیت کا اظہار وضاحت سے ہو سکے مثلاً آپ نے سگریٹ کیس سے سگریٹ نکالا اور ماچس جلا کر دیا سلائی سگریٹ کی طرف بڑھائی کہ اچانک کسی نے آپ کا بازو پیچھے سے کھینچ لیا اور آپ کے سگریٹ کی بجائے اپنا سگریٹ سلگا لیا اور شکریہ کہنا صاف بھول گیا یہ شخص صرف منصور ہو گا۔

اور کبھی اسی ریستوران میں آپ یہ دیکھیں گے کہ بیرا ہر میز پر ایک ماچس رکھ رہا ہو گا اگر آپ تحقیق کریں گے تو وہ آپ کو بتلائے گا کہ آج منصور صاحب نے کئی بنڈل ماچس کے اس لئے لا کے رکھ دیئے ہیں کہ کوئی اس سے ماچس نہ مانگے وہ ماچس مانگنے کو ایک بہت بڑی لعنت سمجھتا ہے۔

منصور صرف دو کھیل پسند کرتا ہے ایک بلیرڈ اور دوسرے شطرنج،

لیکن ان کا شوق اسے ساتھ ساتھ کبھی نہیں رہا وہ بہت دیر کے بعد کھیلتا ہے لیکن بہت ہی اچھا کھیلتا ہے۔

منصور کو شکار میں صرف مچھلی کا شکار پسند ہے اس کا کہنا ہے کہ یہ شکار دنیا کا بہترین اور آرام دہ شکار ہے اس سے نہ دوڑنا پڑتا ہے اور نہ ہی بھٹکنا پڑتا ہے آپ ڈوری کو پانی میں ڈال کر آرام سے بیٹھ جائیے مزے سے کتاب پڑھئے کچھ لکھیے کسی بات پر غور کیجئے اور یا پھر گاتے رہیئے اگر آپ کسی موڈ میں نہیں ہیں تو آرام سے سو جائیے۔

منصور کو فلمیں دیکھنے کا بھی شوق ہے وہ فلم آخری دن اور آخری شو میں دیکھتا ہے اس کا کہنا ہے کہ ہندوستانی فلموں سے اسے عشق ہے مگر اس کے باوجود وہ ہندوستانی فلم کبھی نہیں دیکھتا امریکن اور انگریزی فلمیں وہ بڑی باقاعدگی سے دیکھتا ہے۔

منصور گھوڑدوڑ دیکھنے کبھی نہیں جاتا اس کے خیال میں اس سے زیادہ کوئی لغو چیز نہیں کہ آدمی بیٹھے ہوں اور گھوڑے دوڑ رہے ہوں۔ ایک دن ہم منصور کو اپنے ساتھ ریس کورس میں لے گئے ریس شروع ہونے میں ابھی دیر تھی ہم ادھر ادھر ٹپ لیتے پھر رہے تھے واپس آئے تو دیکھا کہ منصور ایک

پروفیشنل قسم کے ریس کھیلنے والے سے سخت غصے میں یہ کہہ رہا تھا کہ صاحب آپ شرط لگائیے ہر ریس میں میں آپ کو بتا سکتا ہوں کہ کون سا گھوڑا سب سے پیچھے رہے گا، ایک شور و غل اور گرما گرمی کے بعد ہر ریس پر سو روپے شرط لگ گئی اس دن آٹھ ریسیں تھیں اور منصور نے آٹھوں جیت لیں وقت کافی گزر گیا ریس کورس میں اکا دکا آدمی رہ گئے وہ شخص منصور کی خوشامد میں کر رہا تھا کہ للّٰہ کسی طرح وہ اس ریس کا اُلٹ علم اسے سکھا دے تاکہ وہ اُن گھوڑوں پر جو فسٹ آتے ہیں روپیہ لگا سکے اور منصور اس شخص کو نفرت آمیز نگاہوں سے گھورتا ہوا بڑی نرمی سے یہ کہہ رہا تھا کہ اگر وہ یہ فن جانتا تو ریس کورس میں اسے ڈھونڈ کر الٹ شرط کیوں لگاتا، ریس کورس سے باہر نکل کر میں نے منصور سے سرگوشی میں کہا کہ بھئی ہمیں بھی تو یہ علم سمجھاؤ تو اس نے سنجیدگی سے کہا "ساتھ رہا کرو، سیکھ جاؤ گے"

منصور مصور بھی ہے اور ادیب بھی شاعر بھی ہے اور مقرر بھی، لوگوں کو وہ پروفیسر معلوم ہوتا ہے اور اسے لوگوں کی معصومیت پر بڑا رحم آتا ہے اس کا کہنا ہے کہ میں کیا کیا ہوں یہ میں خود بھی نہیں جانتا ہاں اگر میں کوئی بات وثوق اور کامل یقین سے کہہ سکتا ہوں تو وہ یہ ہے کہ میں جینئس ہوں۔

پیلی عمارت

آندھی ہو یا مینہ شام کے چھ بجے بڑے ابا اپنی تاریخی فیلٹ لگائے
ٹیل کوٹ اور پینیٹ پہن کر بغیر روغن کی پرانی چھڑی لئے ہوئے آہستہ آہستہ
قدم اٹھاتے باغ کے پیچھے کی ایک پیلی عمارت کے اندر داخل ہو جاتے تھے۔
یہی وقت ہماری آزادی کا ہوتا تھا ہمارے شور پر نہ کھنکار کی آواز
سنائی دیتی نہ عینک کے اوپر سے گھورتی ہوئی آنکھیں ہی دکھیتیں اور نہ
ہی کسی کی یہ دھمکی کہ بڑے ابا پیٹیں گے کار گر ہو سکتی تھی لیکن ایک دن جب
ہم شام کو اس طرح آزادی کا سانس لے رہے تھے منصور نے ہمیں بتایا کہ
بڑے ابا کہاں جاتے ہیں اور ہم سب نے اس موضوع پر بڑے انہماک

آپ کو منصور کے ڈھونڈنے میں کوئی دقت نہ ہوگی اور یہ منصور کی زندگی
کے چند ایک اصولوں کے خلاف ہے اس کا قول ہے کہ لوگ زیادہ سے زیادہ
اُسے جانیں اور کم سے کم اُسے پہچانیں +

سے سوچنا شروع کر دیا تعجب کی بات تو یہ ہے ہم نے سوچا کہ آخر بڑے ابّا اتنی باقاعدگی سے روزانہ شام کہاں جاتے ہیں اور اس موقعے پر منصور کی معلومات ہمارے کام آئیں منصور ہمارے پڑوس والے ڈاکٹر صاحب کا اکلوتا لڑکا تھا اس نے ہمیں بتایا تھا کہ جو بچے ہر وقت روتے رہتے ہیں ان میں چونے کی کمی ہوتی ہے اور جو والدین بچوں کو پیٹتے رہتے ہیں ان کا ہاضمہ درست نہیں ہوتا اور پھر یہ کہ مولوی صاحب کے باغ کے آلوچے دور دراز ملکوں میں اس لئے بھیجے جاتے ہیں تاکہ انگریزوں کے بچوں کو زیادہ صحت مند رکھا جا سکے اور اسی ضد میں ہم نے ہر فصل پر مولوی صاحب کے باغ کے آلوچے کبھی پکنے نہ دیئے آخر انگریزوں کے بچے ہم سے زیادہ صحت کے ضرورتمند کیوں ہیں اور کچے آلوچے کھا کھا کر ہم بیمار ہو گئے۔

منصور کچھ اس قسم کی اطلاعات کا ذریعہ تھا جو ہمیں وقتاً فوقتاً دنیا کے متعلق عجیب عجیب باتیں بتایا کرتا تھا۔ منصور نے اس شام اپنی گول گول آنکھوں کو چشمے کے پیچھے سے گھماتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں ہمیں یہ بتایا کہ اس کے ابّا اور ہمارے بڑے ابّا اس پیلی عمارت میں بھوتوں سے باتیں کرنے جاتے ہیں ہر شام شہر کے کونے کونے سے تمام بڑے اور چھوٹے بھوت نئے

اور پرانی موٹروں میں بیٹھ کر اس پیلی عمارت میں جمع ہو جاتے ہیں اور اپنے اپنے علاقے کی خبریں ایک دوسرے کو سناتے ہیں اس کے ابا کو تو بھوتوں نے صرف اس لئے آنے کی اجازت دی ہے کہ وہ وقت پڑنے پر ان کا علاج کر سکیں اور ہمارے بڑے ابا صرف ان ڈاکٹر صاحب کی سفارش سے وہاں جاتے ہیں اور یہ بھی کہ بھوت بڑے ابا سے شام کی چائے بنواتے ہیں اور ایک دن تو اس نے یہ بھی دیکھا کہ ایک بہت بڑا بھوت ہمارے بڑے ابا کو ڈانٹ رہا تھا اور ہم اس تصور سے ہی خوش ہو گئے کہ بڑے ابا کو بھی کوئی بڑے ابا مل گئے ہیں اور ہمارے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ہم اس بڑے بھوت سے جا کر بڑے ابا کی ساری شکائتیں کریں اور وہ بڑا بھوت بڑے ابا کے دونوں کانوں کی لوؤں کو چٹکی میں لے کر اتنے زور سے کھینچے کہ بڑے ابا کی آنکھیں بھیگ جائیں۔

منصور کی ایسی باتوں نے ہمارے دل میں ہزاروں بار یہ خواہش پیدا کی کہ ہم بھی کسی روز جا کر دیکھیں کہ آخر اس پیلی عمارت میں کیا ہوتا ہے مگر ہماری خواہش خواہش ہی رہی کیونکہ ہم کبھی منصور جتنی جرأت پیدا نہ کر سکے۔

بغیر روغن کی چھڑی، تاریخی فیلٹ اور ٹیل کوٹ حسب دستور شام کے

چھ بجے حرکت میں آتے بڑے ابا پوری پابندی سے اپنے دقیانوسی پروگرام
پر قائم تھے کہ اچانک بڑے ابا کی کھنکار کھانسی میں تبدیل ہوگئی اور پھر اس
کھانسی نے انتہائی ڈراؤنی صورت اختیار کر لی بڑے ابا کو کھانسی کے دورے
پڑنے لگے اور بڑے ابا کی کمر اور جھک گئی اور پھر وہ دن بھی آیا جب ہم نے
صبح اٹھ کر بڑے ابا کی کھانسی کی بجائے امی کی سسکیوں کی آواز سنی تمام
گھر پہ عجیب اداسی چھائی ہوئی تھی تمام خاموش تھے ہمارے پوچھنے پر نوکر نے
ہمیں بتایا کہ بڑے ابا ہمیں چھوڑ کر چلے گئے اور پھر نہ جانے کیوں ہم خوش ہونے
کی بجائے رو دیئے تھے بڑے ابا کے گنے چنے دوستوں کو ہم جانتے تھے مگر
اس دن نا جانے نئی کم اور پرانی زیادہ موٹروں میں بیٹھ کر عجیب عجیب
بوڑھے وہاں اکٹھے ہوئے نحیف و نزار، دائمی مریض، جھکی ہوئی کمروں والے دو
دو عینکیں لگائے بڑے ابا سے پرانے فیلٹ لگائے بڑھیا مگر میلے کپڑے پہنے
کھنکار کھنکار کر باتیں کرنے والے اور بات سے زیادہ کھنکارنے والے اور
ناک میں بولنے والے ایک بڈھے نے ناصر بھائی سے نا جانے کیا پوچھا اور
جب جواب میں ناصر بھائی نے وقت بتایا تو وہ بڈھا برا سا منہ بنا کر اٹھا ذرا
دیر کو رکا رک کر چلا اور چل کر پھر رک گیا اور پھر گہری سوچ میں ڈوب گیا اس

دن ہمیں احساس ہوا کہ بہت سی باتیں اشاروں سے بھی کی جا سکتی ہیں۔

منصور نے دوسرے دن ہمیں بتایا کہ بڑے ابا کے جنازے میں جو لوگ شریک ہوئے تھے وہ اس پیلی عمارت والے بھوت تھے اور چونکہ ان کی زبان ہم سے مختلف ہے اس لئے وہ اشاروں سے بات کر رہے تھے اور ہمارا چونکہ منصور کی باتوں پر ایمان تھا اس لئے کئی راتیں ہم نے ڈر ڈر کر گذاریں سوتے سوتے ہمیں معلوم ہوتا کہ ہم چھپ کر پیلی عمارت کے اندر جھانک رہے ہیں اچانک ایک سخت ہاتھ ہماری گردن پکڑ لیتا ہے اور ہم چیخ مار کر اٹھ بیٹھتے اب بڑے ابا کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے ہمیں دن میں بھی ڈر محسوس ہوتا تھا منصور نے ہمیں یہ بھی کہا کہ اب تمہارے بڑے ابا بھوت بن گئے ہیں اور وہ روزانہ پیلی عمارت میں شام کو چھ بجے اب بھی جاتے ہیں اور قسم کھا کر کہتا تھا کہ اس نے خود اپنی آنکھوں سے بڑے ابا کو دیکھا تھا۔

سکول کی تعلیم ختم ہو گئی ۔ ہم اور منصور ایک ہی ساتھ گورنمنٹ کالج میں داخل ہو گئے اس زمانے میں ہم میں اور منصور میں کوئی خاص تبدیلی نہ آئی تھی سوائے اس کے کہ منصور کے چشمے کے شیشے ذرا موٹے ہو گئے تھے اور منصور کی باتیں اب کبھی کبھی ہمیں عجیب معلوم ہونے لگیں اور دوسرے یہ کہ منصور

اب کالج میں جینئیس کہلانے لگا تھا منصور نے کالج میں فلسفہ لیا تھا اور میں اور ناصر بھائی سائنس کے طالب علم تھے منصور نے کالج میں داخل ہوتے ہی ایک نوٹس کے ذریعے مندرجہ بالا اعلانات کئے تھے جنہیں پرنسپل، پروفیسر طلبا اور چپراسی اور تمام کالج کی بنچوں درختوں اور ہر قسم کی بیجان اور جاندار چیزوں نے تسلیم کیا تھا۔

۱ ــــ میں منصور ــــ ایک جینئیس ہوں۔

۲ ــــ میں کسی کی پروا نہیں کرتا۔

۳ ــــ میں سب کی توجہ چاہتا ہوں۔

۴ ــــ میں کالج صرف اس مقصد کے لئے آیا ہوں تاکہ لوگوں کو کچھ سکھا سکوں۔

۵ ــــ ہر وہ شخص جو تمہیں کچھ سکھاتا ہے تمہارا استاد ہے۔

۶ ــــ ایک جینئیس ا کالجوں، یونیورسٹیوں اور ڈگریوں کا محتاج نہیں ہے۔

۷ ــــ علم حاصل کرنے کے لئے کتابوں کی ضرورت نہیں۔

۸ ــــ میں وقت اور مقام کی قید سے آزاد ہوں۔

۹ — مجھے کالج کا کوئی عہدہ نہ دو۔

۱۰ — مجھے ڈھونڈو تاکہ میں تمہیں مل سکوں۔

۱۱ — میری باتوں کا برا نہ مانو کیونکہ اس طرح علم کی توہین ہوتی ہے۔

۱۲ — کوئی طالبعلم مجھ سے لڑکیوں، فلموں اور کپڑوں کے متعلق گفتگو نہ کرے۔

۱۳ — مجھے خوش دیکھ کر گریز کرو مجھے اداس دیکھ کر میرے قریب آؤ۔

۱۴ — خوشامد کرنے والے سے مجھے نفرت ہے چاہے وہ کوئی لڑکی کوئی پروفیسر یا پرنسپل ہی کیوں نہ ہو۔

۱۵ — میرا کوئی سولھواں اعلان نہیں۔

کالج میں منصور زیادہ وقت خالی رہتا تھا یہ ہمارا خیال تھا منصور کا کہنا تھا کہ وہ بہت مصروف ہوتا ہے۔ لیبارٹری کے شیشوں سے جب ہم منصور کو ٹانگیں پھیلائے کالج کے لان میں چند لڑکوں کے درمیان تقریر کرتے ہوئے دیکھتے تو جی ہی جی میں کڑھتے کہ کاش یہ معلومات ہم بھی حاصل کر سکتے جو اس وقت منصور کالج کے لڑکوں تک پہنچا رہا ہے۔

منصور گھنٹوں اکیلا بیٹھا کچھ سوچتا رہتا ہم نے اسے درختوں گھاس

اور پھولوں کے تختوں کالج کے بنچوں اور تار کے کھمبوں سے کئی بار محوِ گفتگو پایا۔
تھا اس کا کہنا ہے کہ تنہائی اس کی عزیز ترین محبوبہ ہے وہ اس سے عشق کرتا
ہے اس کے فراق میں باتیں کرتا ہے وہ ہمیں اکثر کوسا کرتا کہ جب تم مجھ سے
ملتے ہو میری محبوبہ مجھ سے آنکھیں پھیر لیتی ہے مجھے بے وفا گردانتی ہے ہم اس
کی یہ تمام باتیں سنجیدگی سے مذاق سمجھ کر قبول کر لیتے۔

ایک دن منصور گھبرایا ہوا ہمارے گھر آیا اور آتے ہی ناصر بھائی سے لپٹ
کر رونے لگا۔ اور اتنا رویا کہ ناصر بھائی کا کوٹ اور قمیض تک بھیگ گئی۔ بمشکل
تمام بہت استفسار کے بعد ہم نے اس موسلا دھار رونے کی وجہ پوچھی تو اس
جینئس نے قہقہوں یا شاید ہچکیوں کے درمیان رکتے رکتے ہمیں بتایا کہ شعور
کا ناول "Quiet flows the dawn" کھو گیا ہے اس نے یہ بھی کہا
کہ مجھے یقین ہے کہ وہ بالکل نہیں کھویا مگر کہیں ادھر ادھر ہو گیا ہے یعنی اپنے
مقام سے ہٹ گیا ہے اور اس وقت اس کا نہ ملنا ظالم قدرت کی ستم ظریفی ہے
اور پھر یکدم وہ مسکرانے لگا اور پھر اس کی یہ مسکراہٹ قہقہوں میں تبدیل
ہو گئی اور وہ بھدی اور بھاری آواز میں قہقہے لگانے لگا۔ پھر اس نے زور سے
ہم دونوں کی پیٹھ تھپتھپائی اور یہ کہتا ہوا بھاگ گیا۔

"مل گیا ـــــ مل گیا، وہ جھڑدس اقبال لے گیا تھا ـــــ پڑھنے کے لئے ـــــ مجھے پریشان کرنے کے لئے ـــــ مل گیا۔ ہاہاہا ـــــ ہاہا ـــــ مل گیا ـــــ مل"

اور وہ بھاگا جارہا تھا، ناصر بھائی نے پورے زور سے آوازیں دیں کہ میاں اپنا سائیکل تو لیتے جاؤ مگر وہ آواز کی حدود کو عبور کر چکا تھا۔

ایک شام خلاف دستور ہم نے دیکھا کہ منصور صاف ستھرا سوٹ پہنے مسکراتا ہوا آرہا ہے میں اور ناصر بھائی بلے لئے کلب جانے کو تیار کھڑے تھے، منصور شام کو گھر سے باہر نہیں نکلتا تھا اس کا قول ہے کہ جب سورج سوا نیزے پر ہو تمام لوگ گھروں میں بند نیند میں مشغول ہوں سڑکیں ویران ہوں معقول آدمی کا نام ونشان نہ ہو وہ سیر کا بہترین وقت ہے اس وقت اس کی سیر میں مخل ہونے والا کوئی نہیں ہوتا اور شام ـــــ ایک ایسا وقت ہے جب اس کا کوئی دوست اسے پڑھنے سے تنگ نہیں کر سکتا۔

آج شام اسے گھر سے باہر صاف ستھرے سوٹ میں اور پھر مسکراتا دیکھ کر ہم دونوں کو بے حد تعجب ہوا اس نے مسکراتے ہوئے ہم دونوں کو بڑے پیار سے دیکھا اور پھر تمام پدرانہ شفقت کو اپنے لہجے میں لاتے ہوئے اس

نے کہا ـــ

"آؤ بھئی ـــ تمہیں سیر کرا لاؤں!"

"سیر" بیک وقت ہم دونوں کی زبان سے نکلا اور ہم کچھ نہ سمجھتے ہوئے حیران کھڑے کے کھڑے رہ گئے مجھے یقین تھا کہ منصور کسی اور کام سے آیا ہے اور وہ شاید بھول گیا ہے ابھی تھوڑی دیر بعد اسے ضرور کوئی دردناک واقعہ یاد آجائے گا اور وہ ہمیں آدھے راستے میں چھوڑ کر چل دے گا۔ ناصر بھائی نے کہا ـــ

"منصور! اگر تم واقعی سیر کے لئے سنجیدہ ہو تو چلو۔" اور منصور نے ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ہمیں یقین دلایا ہم نے بلے رکھ دیئے اور منصور کے ساتھ ہو لئے سیر کرتے ہوئے ہم اس پیلی عمارت کے قریب سے گزرے، ناصر بھائی نے منصور سے ہنستے ہوئے کہا۔

"ارے جینئیس! تمہیں یاد ہے کہ تم نے ہمیں بچپن میں اس پیلی عمارت کے متعلق کیا بتایا تھا۔" اور منصور نے پیلی عمارت کی طرف مڑ کر بڑی سنجیدگی سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہاں" اور اس کی آنکھیں بھر آئیں اس نے گہرا لمبا سانس لیا چشمے کو اتار کر رومال سے صاف کیا اور دوبارہ لگا کر اپنی مخصوص بھونڈی

آواز میں زمین پہ نظریں گاڑے بولنا شروع کیا ــــ

"بات یہ ہے کہ ہماری زندگی میں صرف چند الفاظ ہوتے ہیں، جنہیں الٹ پھیر کر ہم اپنا مطلب واضح کرنے میں انہیں استعمال کرتے رہتے ہیں، ہر ماحول ہر طبقے اور ہر ملک کے۔ لئے علیحدہ زبان ہوتی ہے جب میں نے تمہیں اس پیلی عمارت کے متعلق یہ بتایا تھا کہ وہاں بھوت جمع ہوتے ہیں تو اس وقت تمہارا ذہن آدمی سے زیادہ بھوت، قبول کر سکتا تھا، لیکن اب جبکہ تم میں سوچنے اور سمجھنے کا شعور پیدا ہو چکا ہے میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں بے سوچے سمجھے کوئی بات نہیں کرتا اور مال روڈ، چڑیا گھر، بیڈوز ہوٹل، گورنمنٹ ہاؤس کے قریب کھڑا ہوا پیپل کا ہر درخت تمہیں گواہی دے گا کہ میں نے آج تک وہ بات نہیں کی جو دیکھی نہ ہو یا جو محسوس نہ کی ہو اس پیلی عمارت میں جو ہم پیچھے چھوڑ کر آئے ہیں بقراطوں کا کلب ہے۔"

"بقراط؟ کون ہوتے ہیں؟" میں نے تعجب سے پوچھا منصور نے شائد مسکرا کر ناصر بھائی کی طرف دیکھا اور پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔

"بقراط" وہ رک کر بولا "بقراط! وہ لوگ ہیں جو کلب میں جا کر اخبار پڑھتے ہیں، جو گھنٹوں بجھی ہوئی سگار کے کش لگاتے رہتے ہیں جو دھیمے سروں میں

کھلنستے ہیں اور سالوں میں ایک مرتبہ یہ ظاہر کرنے کی سعیٔ ناکام کرتے ہیں کہ وہ مسکرانا بھی جانتے ہیں"۔ وہ رکا۔ میں نے ناصر بھائی کی طرف دیکھا وہ پہلے ہی خلا میں کھوئی ہوئی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ منصور بول رہا تھا۔ شام کے چھ بجے بقراط اپنے گھروں سے نکل کر اس مرقد نما عمارت میں آتے ہیں سیڑھیاں چڑھتے ہی یہاں کا بیرا ان کے جوتے اتار کر انہیں ربڑ کے سلیپر پہنا دیتا ہے تاکہ چلنے میں آواز نہ ہو بقراط ایک دوسرے کو سلام نہیں کرتے بلکہ سب سے بڑا بقراط اسے سمجھا جاتا ہے جو کسی کی طرف دیکھتا ہی نہیں اس ہال میں ہر بقراط کی علیحدہ علیحدہ کرسی ہے ہر کرسی کے درمیان دس فٹ کا فاصلہ ہوتا ہے اور ہر کرسی کے قریب ایک میز رکھی ہوتی ہے جس پر سگار کا ایک ڈبہ، مختلف اخبارات مہاتما بدھ کا مجسمہ جو پیپر ویٹ کے کام آتا ہے اور ایک انسان کی کھوپڑی رکھی ہوتی ہے اور اس کھوپڑی میں گھڑی فٹ کی ہوتی ہے ہر آدھ گھنٹے کے بعد کھوپڑی کے جبڑے کھلتے ہیں اور گھڑی ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ سامنے آجاتی ہے —— ہال میں روشنی کا گزر نہیں ہوتا ہر کرسی کی پشت پہ ایک شیڈ لگا ہوتا ہے جو اگر روشن ہو تو صرف کرسی والے پر ہی روشنی ڈال سکے کھڑکیوں اور دروازوں پر موٹے سیاہ رنگ کے پردے لگے ہیں دیواروں پر شوپن ہار کنفیوشس، کانٹ، ہیگل، افلاطون،

مولانا حالیؔ، ایچ۔ جی ویلز غرض تمام بقراطوں کی تصاویر آویزاں ہیں ہر پندرہ منٹ کے بعد بیرا بلیک کافی کے پیالے بدلتا رہتا ہے سال میں ایک بار ان کے ہاں ڈنر ہوتا ہے اس رات یہ لوگ بہت اداس اور مایوس ہوتے ہیں اس لئے کہ ہزار احتیاط کے باوجود چھری کانٹے سے کبھی کبھار آواز پیدا ہو ہی جاتی ہے۔ اور ناصر میاں! انہیں معلوم ہونا چاہیئے آواز ان لوگوں کی سب سے بڑی کمزوری ہے ڈنر کے بعد ان میں سے ہر ایک چھوٹی چھوٹی تقریریں کرتا ہے۔

چھوٹی چھوٹی تقریریں کئی کئی ہفتوں جاری رہتی ہیں تقریر کے دوران میں اگر کوئی بات قابلِ تحسین ہوتی ہے تو یہ لوگ سر ہلانے لگتے ہیں اور سر ہلا ہلا کر ایک دوسرے کو بیزار نظروں سے گھورتے ہیں اور اکثر مقرر انکی اس داد سے رو دیتے ہیں اور بیرے آ کر صدر مقرر اور حاضرین کے آنسو پونچھتے ہیں۔

ان کا محبوب ترین مشغلہ شطرنج ہے ایک ایک بازی مہینوں اور سالوں چلتی ہے بازی کے دوران میں اگر کوئی کسی دوسرے شہر میں چلا جاتا ہے اور وہاں جا کر اس کے ذہن میں کوئی چال آ جاتی ہے تو وہ فوراً تار کے ذریعے اپنے بیرے کو ہدایات بھیجتا ہے، ایسا اکثر ہوا ہے کہ دادوں نے بازی شروع کی اور پوتے وصیت

کرتے وقت اگلی چالوں کے لئے ہدایات دے گئے۔

اس خاموش اور پرامن زندگی میں چند سانحات ایسے بھی ہیں جن کی یاد اب بھی اکثر بقراطوں کو رُلا دیتی ہے مثلاً ایک دفعہ ان کے کلب میں ایک بقراط کی سفارش سے ایک شخص کو آنے کی اجازت ملی وہ شخص جب کلب میں داخل ہوا تو مسکرا رہا تھا تمام ممبر اس سانحہ کو برداشت نہ کر سکے۔ انہوں نے لمبے اور گہرے سانس لینے شروع کر دیئے جس نے سفارش کی تھی وہ بے چارہ پشیمانی سے انتقال کر گیا کافی تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ نئے ممبر کی ہنسی ہنسی نہ تھی بلکہ اس بیچارے کے جبڑے ہی اس ساخت کے تھے کہ ہر گھڑی ان پر مسکراہٹ کا گمان ہوتا، بہرحال یہ صاحب ممبر شپ سے خارج کر دیئے گئے۔

غدر ۱۸۵۷ء کے قریبی زمانے میں یہاں کلب کے ایک محبوب ترین ممبر آیا کرتے تھے ان کو بات کہتے ہوئے کسی نے نہیں سنا تھا وقت کے بہت پابند تھے ۲۴ گھنٹوں میں صرف تین بار کھنکارتے تھے دو میل پیدل روزانہ سیر کرتے تھے اور ان دو میلوں میں روزانہ پورے $\frac{1}{2}$ ۵۲۷۵ قدم اٹھاتے تھے ایک دن غدر کے حالات سے پریشانی کے باعث دوران سیر میں ان کا آدھا قدم کھو گیا اور آدھے قدم کو ڈھونڈھنے کے لئے انہوں نے

اسس دوہیل کے اتنے چکر لگائے کہ جاں بحق تسلیم ہو گئے ان صاحب کا فوٹو کلب کے ہر ممبر کے پاس ہر وقت رہتا ہے تاکہ ایمان تازہ رہے۔" منصور رک گیا۔

ابھی تک جو کچھ بھی منصور نے بتایا تھا ہماری سمجھ سے باہر تھا ہم لاکھ کوشش کرتے کہ اس کو جھوٹ سمجھیں مگر منصور کی زمین پر گڑی ہوئی نظریں دھیما لہجہ اور بھونڈی آواز کا اتار چڑھاؤ ہمارے ذہنوں پر چھاتا چلا جاتا، جھلملاتے ہوئے شک کے چراغ بجھ جاتے آخر ناصر بھائی سے نہ رہا گیا اور انہوں نے ہمت کر کے پوچھ ہی دیا کہ منصور تمہیں ان تمام باتوں کا علم کس طرح ہوا اس پر منصور نے جھکی جھکی بیزار آنکھوں سے باری باری ہماری طرف دیکھا چشمے کے پیچھے دو گول گول آنکھیں اپنے مرکزوں پر گھوم گئیں نیچے کا ہونٹ ٹھوڑی سے سرگوشیاں کرنے لگا اور بمشکل تمام ایک سسکتی ہوئی ہنسی اس کے دانتوں سے نکل کر ہونٹوں پر بہنے لگی۔

"مجھ کو یوں معلوم ہے بھئی کہ میں وہاں جا چکا ہوں۔" منصور نے اطمینان سے کہا۔

"کیا" ہم دونوں حیران رہ گئے۔ "مگر کیسے؟" ہم نے سوال کیا اور دل

ہی دل میں منصور کی گھمبیر معلومات پر کڑھنے لگے۔

"بتادوں؟" منصور نے ادھر ادھر درختوں کو شک کی نظر سے دیکھ کر کہا۔

"ہاں ہاں ضرور" ہم اچھل پڑے۔

"تو سنو! ہوا یوں کہ ایک دن جب چھ بجنے کے قریب تھے میں اس پہلی عمارت کے جنوب مشرقی حصے سے ۴۵ درجے کے زاویے پر جو برگد کا درخت ہے اس کے پیچھے کھڑا ہو گیا میں وہاں سے سب کو دیکھ رہا تھا اور پہرے اور چوکیدار مجھے نہ دیکھ سکتے تھے ہر بقراط کو میں نے غور سے دیکھا ان میں سے ایک شخص کا قد اور جسم قریب قریب میرے برابر تھا وہ کندھوں کو ذرا جھکا کر پیٹ آگے کو نکالے دونوں پیر ساتھ ساتھ بڑھا کر چلتا تھا گھر آکر اس طرح چلنے کی میں نے کئی دن مشق کی اور پھر ایک دن میں اسی بقراط کا روپ دھارے اس عمارت کے اندر داخل ہو گیا۔"

"مگر اصلی بقراط کا کیا ہوا؟" ناصر بھائی نے سوال کیا۔

منصور رک کر ایک دم اکڑ گیا اب جو دیکھا تو ہنس رہا تھا۔

"میں ایسے ہی کوئی پاگل تھا میں نے تحقیق کر لی تھی وہ کہیں باہر گیا ہوا تھا — تو میاں ہال میں داخل ہوتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے میں چشمہ گھر

بھول آیا ہوں آنکھوں پر ہاتھ پھیرنے سے معلوم ہوا کہ چشمہ تو موجود ہے اب سمجھا

ہال میں روشنی نہ تھی پلٹتا تو راز فاش ہو جاتا اس لئے میں نے حافظے پر دباؤ ڈال

کر چلنا شروع کر دیا اور پھر ایک کرسی پر بیٹھ گیا کرسی بڑی بے آرام سی تھی پندرہ

منٹ کے بعد بیرا کافی لایا اور اس نے کرسی کا لمپ جلا کر مجھے عجیب عجیب

اشارے کئے بہت دیر کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ میں ایک بقراط کے اوپر بیٹھا

ہوا تھا۔ بیرے کی مدد سے میں اپنی کرسی تک پہنچا بیرے نے مجھے کرسی پر آرام سے

لٹا دیا اور غالباً ہمیشہ کے لئے چلا گیا میں نے غور سے اپنے چاروں طرف دیکھنے

کی کوشش کی مگر اندھیرے میں کچھ دکھائی نہ دیا اپنی کرسی کا لمپ جلایا میز پر

سے اخبار اٹھائے اخبار کی کھڑکھڑاہٹ پر کئی کرسیوں کے لمپ جلے اور اندھیرے

میں کئی چشموں کے شیشے چمکنے لگے میں سمجھ گیا ہال کے لوگوں کو اخبار کی آواز

گراں گذری تھی اور اس روشنی جلنے کے اثنا میں میں نے تمام ماحول کا جائزہ لے

لیا۔

پندرہ منٹ بعد بیرا کافی کی پیالی بدلنے آیا میں نے اشارے سے اس

سے کتاب مانگی، بیرے نے اپنے دونوں ہاتھ میرے بغلوں میں ڈال کر ایک

جھٹکا دیا اور میں سیدھا کھڑا ہو گیا اور کشاں کشاں وہ مجھے ہال سے نکال کر

ایک روشن کمرے میں دھکیل دیا گیا۔ اب جو میں نے دیکھا تو وہ لائبریری تھی لائبریری کی چھان بین میں مجھے چند عمدہ کتابیں ملیں ان میں ایک دبلی پتلی کتاب (F.H ‍rules of) تھی اس میں کلب کے سارے قوانین درج تھے اور پرانے ممبروں کے نام اور ان کے واقعات مندرج تھے اور اس کتاب سے وہ تمام معلومات حاصل ہوئیں جو میں نے تم تک پہنچائی ہیں اور وہ تمام باتیں بھی معلوم ہوئیں جو میں تمہیں ہرگز ہرگز نہیں بتا سکتا۔" یہ کہہ کر منصور نے سلام کیا اور ایک طرف کو بھاگ گیا۔

رات کو کھانے پر میں نے ناصر بھائی سے کہا مجھے تو منصور کی باتوں پر رتی بھر بھی یقین نہیں آتا۔ ناصر بھائی نے سرگوشی کے انداز میں چاروں طرف دیکھ کر کہا۔

"ارے منصور کا کوئی اعتبار نہیں! کیا خبر سچ ہی کہتا ہو، جلینئیس جو ٹھہرا۔"

جینئس کے دو خط

ایک دن میں ناصر بھائی اور منصور سیر سے واپس آرہے تھے کہ راستے میں
ایک ادھیڑ عمر آدمی نے منصور کو روک کر کہا۔
"معاف کیجیے! میں آپ سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔"
"فرمائیے" منصور نے قدرے بے نیازی سے کہا
"آپ نے شاید مجھے پہچانا نہیں؟" ادھیڑ عمر آدمی مسکرایا۔
"جی نہیں" منصور نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔
"میں جاوید کا والد ہوں۔" انہوں نے یاد دلاتے ہوئے کہا۔ ہم سوچ
میں پڑ گئے، ناصر بھائی جلدی سے بولے "جاوید! جو انگلینڈ ہے آجکل؟"

"جی ہاں! بالکل" ادھیڑ عمر آدمی نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"اوہ! میں اب سمجھا —— تو آئیے،" ہم اور منصور انہیں لے کر ایک قریبی کیبنے میں آگئے۔ منصور نے چائے پیتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"تو اب فرمائیے صاحب! کیا بات کرنا ہے آپ کو؟"

"جی وہ ——" وہ بزرگ ناصر بھائی اور میری طرف دیکھ کر رک گئے، اور منصور جلدی سے بولا ——

"بے فکر رہئیے! ان سے کیا شرم اور پھر یہ بھی بالکل میری طرح بے ضرر انسان ہیں بلکہ اگر مبالغے سے کام نہ لیا جائے تو انہیں تو آپ دیوار سمجھئے، جس کے کان بھی نہیں اور پھر دوسرے یہ کہ ان سے میں کوئی بات نہیں چھپاتا آپ مجھے بتائیں گے تو میں ضرور انہیں بتا دوں گا اب آپ ہی بتلائیے ان سے بھلا کیا پردہ —— میرا مطلب صرف یہ ہے کہ آپ فرمائیے —— آخر بات کیا ہے؟"

بزرگ ذرا شرمائے پھر ہماری طرف کنکھیوں سے دیکھا اور بڑی معصومیت سے یوں بولے ——

"بات دراصل یہ ہے کہ آپ لوگ جاوید کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں اور

پھر وہ آپ کی عمر کا بھی ہے میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ انگلینڈ جا کر بگڑ گیا ہے۔ کیونکہ یہاں اس نے وہ تمام حرکات نہیں کیں جو وہاں جا کہ وہ کر رہا ہے میں اس کا یہ رویہ برداشت نہیں کر سکتا میں جانتا ہوں کہ وہ جوان ہے آخر ہم بھی کبھی جوان تھے مگر وہ اپنے اس دور کا کچھ ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے اور آپ لوگ جانتے ہیں کہ جوانی ایک نشہ ہے یہ دور اندیش بالکل نہیں —— اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ میری مدد کریں ——"

"مثلاً ؟" منصور نے جلدی سے سوال کیا۔

"آپ خط لکھیں —— اور اسے یہ تمام باتیں سمجھائیں ——"

"بات یہ ہے ——" منصور رک کر سوچتے ہوئے بولا ——

"آپ میرے بزرگ ہیں آپ کا اور آپ کے جذبات کا احترام میرا فرض ہے اور اب چونکہ آپ نے میری مدد چاہی ہے اس لئے یہ میرا فرض ہو گیا ہے کہ میں آپ کی مدد کروں —— ایک دوست کی حیثیت سے میں جاوید کو نصیحت کروں گا تو وہ اس کو کبھی سنجیدگی سے نہیں لے گا اور دوسرے ہو سکتا ہے وہ یہ تصوّر کرے کہ ہم اس کی اس زندگی سے جلتے ہیں لہٰذا آپ مجھے وقت دیجئے —— میں کل آپ کے ہاں حاضر ہو جاؤں گا —— اور اچھی طرح اس

موضوع پر گفتگو کر کے آپ کی طرف سے جاوید کو خط لکھ دوں گا۔"
وہ بزرگ مطمئن ہو گئے منصور سے انہوں نے وقت طے کیا اور رخصت ہو گئے۔ اس سے پہلے کہ ہم کوئی اعتراض یا سوال کرتے منصور بولا۔
"یہ لوگ باپ بننے کے اہل نہیں ہوتے اور باپ بن جاتے ہیں اور پھر اپنی اولاد کی تربیت کے لئے مجھ جیسے شخص کا سہارا ڈھونڈتے ہیں —— خیر! کوئی بات نہیں کیا ہوا جو میں باپ نہیں میں جاوید کے لئے ایک ایسا باپ ثابت ہوں گا کہ صاحبزادے کے مزاج دو خطوں میں درست ہو جائیں گے"
منصور جذبات کی رو میں بہہ گیا اور ہمارے لئے یہ بات کافی تعجب انگیز تھی ناصر بھائی نے کہا ——
"منصور! یہ ذمہ داری کا کام ہے اور تم ——"
"کیا کہا" منصور نے گھور کر ناصر بھائی کو دیکھا اور مسکرا کر غصے میں بولا۔
"تمہاری بات کا صاف لفظوں میں یہ مطلب نکلتا ہے کہ میں غیر ذمہ دار آدمی ہوں، تمہیں یہ علم نہیں منصور جو کہتا ہے، وہ صرف کہتا ہی نہیں کرتا بھی ہے بلکہ یہ کہ جب وہ کہہ رہا ہوتا ہے کر رہا ہوتا ہے" یہ کہہ کر منصور رک گیا اور پھر شاہانہ انداز میں بولا۔

"منصور کا فیصلہ اٹل ہے ـــــ منصور نے جو کہا ہے سمجھ لو کر دیا ہے ـــــ تم دیکھ لو گے"

ناصر بھائی دبک گیا اور ہماری محفل برخاست ہوئی اور اس کے بعد واقعی منصور نے باپ بن کر جاوید کو دو خط لکھے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بقول منصور واقعی صاحبزادے کے مزاج درست ہو گئے۔ وہ خط ملاحظہ فرمائیے ـــــ

۲ مئی ۴۸ء

لاہور

بیٹا جاوید!

ابھی ابھی منشی نے تمہارے اخراجات کی تفصیل دی ہے۔ جب میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ میں تمہیں اعلیٰ تعلیم دلانا چاہتا ہوں تو میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ تم یونیورسٹی خرید لو، ویسے میری دولت اس بار کی متحمل ہو سکتی ہے لیکن مجھے تمہاری فکر ہے میں پچھلے دو سال سے دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے اخراجات بڑھتے جا رہے ہیں اور تم نے ابھی تک اپنی تعلیم ختم نہیں کی میرے خیال میں یہ سودا اچھا نہیں آدمی اگر روپیہ لگائے تو اسے فائدہ پہنچنا چاہیئے اور اگر کوئی فائدہ نہ پہنچے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ تجارت نقصان دہ ہے اس

سے پہلے میں نے تمہیں کبھی کچھ نہیں کہا میرا خیال تھا کہ تم خود سمجھ جاؤ گے
تم اوروں کی طرح نہیں ہو لیکن اب میرا خیال ہے کہ تمہیں جلد از جلد سیدھی
راہ پر لانا پڑے گا جب تک تم تعلیم پا رہے ہو میں تمہارے اخراجات کا
کفیل ہوں لیکن کالج کے بعد کون ہوگا؟ کاش تمہارے ذہن میں کبھی یہ سوال
ابھرا ہوتا، اس لئے اب تمہیں سوچنا چاہیئے کہ تمہارے تعلیم کے بعد کے دنوں
میں تمہاری آمدنی کیا موجودہ اخراجات کی کفیل ہو سکے گی ـــــ

جلد امیر ہو جانے کی صرف دو صورتیں ہیں یا تو یہ کہ کہیں سے روپیہ ہاتھ لگ
جائے یا پھر امیر باپ چھوڑ کر مر جائے، تمہارے لیے میرا خیال ہے کہ یہ دونوں
صورتیں ناممکن ہیں، یہ دوسری بات ہے کہ تمہیں کوئی اچھی جگہ مل جائے اور
اس کے لئے کسی اچھی کمپنی کا ہونا لازمی ہے جہاں چاہے امیر کا لڑکا ہو یا غریب
کا چھوٹے سے عہدے سے ترقی کرنی پڑتی ہے اور دفتر میں سب سے پہلی
آسامی کلرکی کی ہے جہاں ساٹھ روپے ماہوار تنخواہ ملتی ہے، میری سفارش
سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا یہ تم کو احساس ہوگا، تمہاری تعلیم چونکہ
ولایت کی ہے اس لئے تم اوروں سے زیادہ جلدی ترقی کر سکتے ہو لیکن
چڑھنے کے لئے پہلی سیڑھی سے آغاز کرنا پڑتا ہے انگریزی کا ایک مشہور مقولہ ہے۔

"جو شخص لفافے پر ٹکٹ نہیں لگا سکتا وہ خط کبھی نہیں لکھ سکتا۔"

میں یہ ساری باتیں صرف اس لئے کہہ رہا ہوں کہ شاید تم اپنے گھر واپس آکر خود کو اجنبی محسوس کرو۔ میں تم کو ترقی کے راستے پر تو ضرور ڈال سکتا ہوں، لیکن چلنا تمہارا کام ہے اگر صلاحیتیں بازار میں فروخت ہوا کرتیں تو میں ضرور تمہیں خرید دیتا لیکن میرا خیال ہے کہ تمہارے اندر صلاحیتوں کی کمی نہیں تم مجھ جیسے باپ کے لڑکے ہو جس نے آمدنی سے پہلے کبھی خرچ نہیں کیا، تنخواہ مہینے میں صرف ایکبار ملتی ہے اور اگر تمہارے اخراجات ایسے ہی رہے تو تمہارا گذارہ مشکل ہے۔

میں جانتا ہوں کہ آجکل کے نوجوان بے پروائی کو بڑائی اور احتیاط کو کمینہ پن سمجھتے ہیں یہ کالجوں کی تعلیم کا اثر ہے اور اسی لئے تجارت پیشہ لوگ تعلیم کے لئے اپنے بچوں کو کالج میں نہیں بھیجتے لیکن میرا خیال ہے کالج ہی ایسا ماحول ہے جس میں بڑائی کے جراثیم پلتے ہیں لوگ مجھ سے متفق نہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اچھا آدمی وہ ہے جو خرچ کے وقت کبھی ہاتھ نہ روکے اور بے جا کبھی خرچ نہ کرے اور یہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں نے تمہاری ضرورتیں پورا کرنے کے لئے کبھی کسی قسم کی کاہلی نہیں برتی۔

دنیا میں کمینہ ترین شخص وہ ہے جو دوسرے کی کمائی ہوئی دولت کو بیدردی سے خرچ کرے۔ مقبول ہونے کے لئے لوگ اپنے اخراجات بڑھا لیتے ہیں اور مقبول ہونے کا یہ طریقہ ترقی کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ میں اپنے دفتر کے کلرکوں کو دیکھتا ہوں جو بہت اچھے کپڑے پہنتے ہیں جو ہر شام تفریح میں گزارتے ہیں اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ یہ لوگ تمام عمر کلرک ہی رہیں گے اور اگر تمہارے دل میں بھی مقبول ہونے کی خواہش ہے تو میرا ہمدردانہ مشورہ یہ ہے کہ اس کو ختم کر دو ——

میں تمہیں اپنی زندگی کی کہانی کئی بار سنا چکا ہوں میں شروع میں کیا تھا تم جانتے ہو اور کس طرح میں آگے بڑھا یہ بھی تمہیں معلوم ہے اور میں یہ چاہتا ہوں کہ میری طرح میرا بیٹا بھی قدم بہ قدم ترقی کرتا جائے یہ بھی اگر میں نہیں بھولتا تم پر اچھی طرح واضح ہے۔

مجھے وہ زمانہ خوب یاد ہے جب میں اپنے ساتھ کے کھیلنے والوں کو اچھی اچھی چیزیں کھاتے دیکھتا تھا اور خود میری جیب کبھی اس عیاشی کی اجازت نہ دیتی تھی میرے سکول کے وہ ساتھی آج مفلس اور قلاش ہیں اور زندگی کی ان پررونق سڑکوں پہ سسک سسک کر زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں۔

تم اب یہ کہو گے کہ زمانہ بدل چکا ہے اب ماحول میں وہ کچھ نہیں جو میرے بچپن میں تھا مگر میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں کہ زمانے کی بدلتی ہوئی رو آدم کی سرشت کبھی نہیں بدل سکتی اور جب تک آدم کی سرشت نہیں بدلتی زندگی کے تجربوں میں انوکھا پن نہیں آتا اور جب تک زندگی کے تجربوں میں انوکھا پن نہیں آتا پچھلے تجربوں سے فائدہ اٹھانا ہی عقلمندی ہے۔

آخر میں بس تمہیں یہی کہوں گا کہ اپنی عقل کو کام میں لاؤ — احتیاط برتو اور ضمیر کی آواز کو نہ دبنے دو۔

مجھے خط کا جواب دینے کی چنداں ضرورت نہیں تم نے کہاں تک میری باتوں سے فائدہ اٹھایا ہے یہ اگلے اخراجات کے بلوں سے معلوم ہو جائیگا۔

خدا حافظ

ہاں زندگی اتنی مختصر ہے کہ خط لکھنے میں وقت ضائع کرنا فضول خرچی ہے — اور تم طالب علم ٹھہرے۔

تمہارا باپ

۹ ؍ جون ۱۹۴۸ء

لاہور

بیٹے جاوید

کل مجھے اخراجات کے بلوں کے ساتھ باون روپے کا ایک بل ملا یہ باون روپے کی انگوٹھی کسی کو دینے کی کیا بات تھی اور یہ خاتون کون ہیں؟ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے تم نے مجھے ان کے متعلق کبھی نہیں بتایا میرا خیال ہے کہ تمہاری اپنی ملاقات ابھی ان سے نئی نئی ہے اور نئی نئی ملاقات میں جو لڑکی تحفے قبول کرنے لگے وہ شادی کے قابل نہیں ہوتی ویسے ان معاملات میں میرا تجربہ ذرا محدود ہے میری زندگی میں پہلی اور آخری عورت تمہاری مرحوم ماں تھی لیکن میں نے دوسروں کا تماشہ ضرور دیکھا ہے میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اگر تم ان خاتون سے کہو کہ مستقبل میں تمہاری آمدنی ساٹھ روپے ماہانہ سے زائد نہ ہوگی تو وہ تم سے تعلقات قائم نہ رکھ سکے گی، آج کل کی لڑکیاں مرد نہیں دولت دیکھتی ہیں ابھی حالات میرا خیال ہے اتنے خراب نہیں ہوئے کہ تمہیں شادی کی دھن ہو، ساٹھ روپے ماہوار کا کلرک اگر باون روپے کی انگوٹھی تحفے میں دے تو اسے بیوی سے زیادہ ایک آیا کی ضرورت ہے باون روپے میں گھر کی ضروریات کی کتنی چیزیں آسکتی ہیں یہ ایک کلرک کی بیوی تمہیں وضاحت سے بتا سکتی ہے۔

بہرحال فضول خرچی اس عمر میں بہت بڑی حماقت ہے ابھی تم کو کافی دن عزت کی زندگی بسر کرنا ہے نوجوان آدمی کو ایسی عمر میں نصیحتیں تکلیف پہنچاتی ہیں یہ ممکن ہے کہ تم موٹر سائیکل خریدتے وقت مجھ سے مشورہ کرو لیکن اگر بیوی کے انتخاب میں میں تمہیں مشورہ دینے لگوں تو تمہیں یقیناً بہت برا لگے گا۔

قدرت جوڑی ملاتی ہے یہ ٹھیک ہے لیکن دنیا میں جتنی شادیاں ہوتی ہیں ان کا فیصلہ تاریک گوشوں میں ہوتا ہے جہاں فیصلہ کرنے والے ایک دوسرے کو اچھی طرح نہیں دیکھ سکتے اور محبت کے زمانے میں چونکہ لڑکا بیوی کے گھر والوں سے بچتا ہے اور شادی کے بعد ان سے واسطہ پڑتا ہے اس لئے اکثر ادفات مایوسی ہوتی ہے اور اگرچہ وہ اپنی بیوی سے شادی کرتا ہے اپنی بیوی کے بڈھے باپ یا بوڑھی ماں سے نہیں کرتا لیکن شادی کے قوانین میں ایسا کوئی قانون موجود نہیں جو بیوی کے بوڑھے باپ کو داماد سے قرض لینے سے روک سکے۔

آدمی اپنی ماں نہیں چنتا لیکن اپنے بیٹے کی ماں ضرور چنتا ہے اور اگر اس کا خسر تاش کا جوا کھیلتا ہے تو ممکن ہے اس کا بیٹا گھوڑ دوڑ میں جانے لگے۔

کسی ایسی غریب لڑکی سے شادی نہ کرو جو امیروں کی طرح پلی ہو، اس میں غربت کی کمزوریاں ہوتی ہیں اور امارت کا تفاخر۔

روپے کے لئے شادی کرنا اور بغیر روپے کے شادی کرنا میری نظر میں دونوں اخلاقی جرم ہیں امیر لڑکی سے شادی کرنے کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ تم اتنی دولت سے شادی کر رہے ہو جس کے ساتھ ایک لڑکی بھی آئے گی۔ روپے سے دنیا کا نظام قائم ہے اور روپیہ ہی دنیا کے نظام کی خرابی کا باعث بھی ہے۔ شادی کرتے وقت اچھی صورت کا بہت زیادہ احساس کبھی نہیں ہونا چاہیئے۔ خوبصورتی مٹ جانے والی ایک سطحی سی شے ہے لیکن اس کے باوجود آدمی کو اطمینان بخشتی ہے کہاوتوں کے سچے معنی تلاش کرنے کے لئے میں ہمیشہ ان کے بدل پہ غور کرتا ہوں یہ ساری باتیں میں صرف اس لئے کہہ رہا ہوں کہ تمہارے خط سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ تم تیزی سے بھاگ رہے ہو اور کسی بھی وقت ہو سکتا ہے کہ ٹھوکر لگے اور تم گڑھے میں گر جاؤ اور اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ تم یہ اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ جو لڑکی تم سے میرے روپے کے لئے شادی کرنا چاہتی ہے اس کو مایوسی ہوگی۔

ساٹھ روپے ماہوار کے کلرک کے لئے دنیا کتنی مہنگی ہے اگر تم یہ جانتے تو باون روپے کی انگوٹھی اس خاتون کو کبھی نہ دیتے۔

شادی کا ذکر آتے ہی مجھے اپنے عزیز ترین دوست مسعود کا خیال آگیا،

اس کا قد پانچ فٹ گیارہ انچ تھا رنگ صاف اور بال گھنگھریالے تھے اس کے چہرے پر براؤن مونچھیں تھیں میرا خیال ہے کہ وہ عورتوں میں کافی مقبول تھا جلسوں اور پارٹیوں میں وہ اکثر عورتوں کے جھرمٹ میں گھرا رہتا اس کی آواز پرسوز تھی اور اس کا گانا سب پسند کرتے تھے۔

وہ اداس کبھی نہیں دیکھا گیا ہر وقت اس کے چہرے پر دل کو موہ لینے والی ایک مسکراہٹ رہتی تھی وہ دوسروں کے کپڑے کبھی نہیں پہنتا تھا اور لڑکیوں کے ساتھ چائے پینے وقت اس کے ہاتھ کبھی نہیں لرزتے تھے گفتگو کے دوران میں وہ کبھی آنکھیں جھکا کر سگریٹ کی راکھ نہیں جھاڑتا تھا، لڑکیوں کے مذاق کا جہاں تک تعلق ہے میرا خیال ہے سوائے مرد کے ہر جگہ معتبر ہوتا ہے اور مرد ہی وہ مقام ہے جہاں آکر عورت ٹھوکر کھا جاتی ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم میں سے اکثر کنوارے رہتے لیکن ساتھ ہی ساتھ میں تمہیں یہ کہہ دوں کہ جہاں تک مرد کے مذاق کا تعلق ہے وہ عورتوں کے سلسلے میں کافی پست اور حوصلہ شکن ہے۔

مسعود اونچے سے اونچے گھرانے میں خوبصورت ترین گھروں میں حسین سے حسین لڑکی کے ساتھ باتیں کرتا نظر آتا تھا اور یہ بات مجھے تمہاری مرحوم ماں سے معلوم ہوئی جس نے مسعود کی بہت سی باتیں بتائی تھیں اور تمہاری ماں نے یہ

کوئی بدو یانتی نہیں کی تھی اس لئے کہ شہر کی ہر لڑکی سے مسعود نے یہی باتیں کی تھیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جب وہ لڑکی کے ساتھ تنہا ہوتا تھا تو وہ اداس ہو جاتا تھا اور زندگی کی تلخیوں کا بار بار ذکر کرتا تھا لیکن ہو سکتا ہے تمہیں یہ ساری باتیں افسانہ معلوم ہوں کیونکہ ان میں کوئی معقولیت نہیں ہے۔

چھبیس سال کی عمر تک مسعود کا یہی رویہ رہا اور اس کے بعد مسعود سے غلطی ہو گئی جن لڑکیوں کے ساتھ وہ پلا بڑھا تھا وہ جوان ہو کر شادیاں کر چکی تھیں اور وہ لڑکیوں کی دوسری کھیپ کا منتظر تھا کہ استنے میں ایک چالیس سال کی ادھیڑ عمر عورت نے اس کو چن لیا یعنی اس پر مہربان ہو گئی — اور اس جال سے جب مسعود نکلا تو وہ اس عورت کے چار بچوں کا سوتیلا باپ تھا وہ مسعود پر بہت مہربان تھی اور مسعود کو بالکل اپنا بچہ سمجھتی تھی لیکن ماں وہ ذرا سخت تھی جب وہ کبھی باہر نکلتے تو لوگ انہیں کافی تنگ کرتے تھے کوئی منچلا مسعود کی پیٹھ پر ہاتھ مار کر اس کی ادھیڑ عمر بیوی سے کہتا —

"— آپ کا بچہ ماشاءاللہ اچھا خوبصورت اور جوان ہے" اور پچاس سال کی عمر میں وہ عورت اس دنیا سے رخصت ہو گئی مسعود نے کئی دن تک اس کا ماتم کیا تھوڑے دن بیتے ہیں کہ اس نے ایک اٹھارہ سالہ نوجوان لڑکی

سے شادی کر لی ہے مسعود کی عمر اس وقت چالیس سے اوپر ہے وہ اپنی نئی بیوی رخشندہ کو کشمیر لے گیا اور جب کشمیر کی وادی میں پیدل سفر کرتے کرتے تھک کر انہیں مزدور لینا پڑا تو مزدور نے رات پڑنے پر مسعود سے بڑی معصومیت سے پوچھا ۔

" آپ کی بیٹی کو تکیے کی ضرورت تو نہیں ؟" مسعود جھلا گیا اور کشمیر میں جو مزدور بھی مسعود کو ملا اس نے اسے اسی قسم کی روحانی اذیتیں پہنچائیں ، سرینگر کے پنجاب ہوٹل میں جب وہ ٹھہرا تو کلرک نے مسکراتے ہوئے مسعود سے پوچھا

" آپ یہ تو نہیں چاہتے کہ آپ کی صاحبزادی کا کمرہ آپ کے کمرے کے بالکل برابر ہو ؟"

اس کے بعد مسعود پر کیا بیتی یہ میں نہیں کہہ سکتا کیونکہ مجھے اس کو دیکھے کافی دن گزر چکے ہیں ۔

مسعود کا ذکر تو بہرحال یونہی آ گیا تھا کیونکہ ظاہر ہے کہ تم مسعود جیسی کوئی حماقت نہیں کر رہے غلط لڑکی سے شادی کرنے کے یہ معنے ہوئے کہ آدمی تمام عمر غلطی کرتا رہے اور اگر تم اپنی محبوبہ کو اپنے حالات سے آگاہ کر دو تو ہو سکتا ہے کہ تم اس غلطی سے بچ جاؤ ۔ باون روپے کی انگوٹھی اور ساٹھ روپے ماہوار

کا کلرک ـــــ انگلستان کی سفید عورت اور پہلی ملاقاتوں میں تحفے ـــــ تم جیسا طالب علم ادر مجھ جیسا باپ تمہارے پاس سوچنے کے لئے مواد اور ذہن دونوں چیزیں موجود ہیں ـــــ

امید ہے کہ تمہارا آئندہ اخراجات کا بل مجھے اس بات کا موقع دے گا کہ میں تمہیں شاباش لکھ سکوں ـــ

تمہارا باپ

۶ر جولائی سنہ ۴۳ء

لاہور

جیتے رہو!

بیٹا جاوید! اخراجات کے بل کے ساتھ مجھے تمہارا خط بھی ملا، اپنا رویہ اتنی جلدی بدل کر تم اپنے باپ سے بھی بازی لے گئے خط میں تم نے جو یہ لکھا ہے کہ تم آئندہ کبھی ایسی حرکت نہیں کرو گے ـــــ یہ لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی ـــــ مجھے تم پر بھروسہ ہے، میں تم پر فخر کرتا ہوں۔

اور امید ہے یہ فخر قائم رہے گا۔ تمہارا باپ

منصور کا کہنا ہے کہ یہ تیرا خط اس نے خواہ مخواہ لکھا تھا اور اس کے کہنے کے مطابق اس کے دو خط جاوید پر کافی اثر انداز ہوئے تھے، جاوید کے والد نے ہم سب کو اپنے گھر چائے پر مدعو کیا اور چائے پینے کے بعد انہوں نے منصور سے کہا —

"آپ ذہنی لحاظ سے کمی بچوں کے باپ ہیں" جتنا ہم یہ فقرہ سن کر حیران ہوئے اتنا ہی منصور پر یہ فقرہ بے اثر ثابت ہوا اور اس نے ان بزرگ کو حقارت سے مسکرا کر دیکھنے پر ہی اکتفا کیا — جب ہم وہاں سے باہر آئے تو ناصر نے کہا —

"منصور! ان بزرگ کا مطلب کیا تھا؟"

"تم سب میرے بچے ہو" منصور نے پدرانہ شفقت کو اپنے لہجے میں سموتے ہوئے کہا۔ اور ہم نے فرمانبردار بچوں کی طرح کچھ نہ سمجھتے ہوئے آنکھیں جھکا لیں۔

ڈائری کے چند ورق!

ہمارے کالج کے امتحانات ختم ہو چکے تھے، میں اور ناصر بھائی تو بس، پاس ہی ہوئے تھے البتہ منصور اپنی جماعت میں اول رہا تھا، ہمارے لئے یہ کوئی حیرانی کی بات نہ تھی کیونکہ منصور کچھ ایسی ہی باتیں کیا کرتا تھا ہر وہ بات جس کی لوگوں کو اس سے توقع نہیں ہوتی وہ، اسے ضرور خوش اسلوبی سے پورا کرتا تھا۔

گرمیوں کی چھٹیاں ہوئیں اور اس فراغت کے زمانے میں ہمیں کبھی کبھی منصور کا خیال آنے لگا کچھ بھی ہو منصور میں بہت سی دلچسپیاں تھیں ایک دن جب منصور ہمیں ضرورت سے زیادہ یاد آیا تو ہم اس کی کوٹھی پہنچے وہاں

سے پتہ چلا کہ منصور شملے جا چکا ہے۔

"تعجب ہے" ناصر بھائی نے کہا۔

"بغیر اطلاع دیئے وہ کیوں گیا— ناصر بھائی وہ ضرور ہم سے ناراض ہوگا"

میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

چار ماہ گذر گئے، کالج کھل گیا اور منصور بالکل لاپتہ تھا ایک دن جب ہم گھر پہنچے تو ناصر بھائی کو منصور کا ایک خط ملا بہت مختصر سا تھا۔

شملہ

ناصر میاں!

میں یہاں برف سے ڈھکی ہوئی چوٹیوں کے درمیان منصور کی حیثیت سے سانس لے رہا ہوں، تمہارے اور میرے درمیان جو فاصلہ ہے اس نے ایک بڑا سہانا تصور تمہارے متعلق قائم کر رکھا ہے۔

کاش یہ فاصلہ ہمیشہ رہ سکتا۔

منصور

نوٹ:- اڈریس اس لئے نہیں لکھا تاکہ تم میرے ماحول میں اضطراب پیدا کر سکو عنقریب آ رہا ہوں۔

دو مہینے اور گذر گئے اور عنقریب کا لفظ شرمندۂ معنی نہ ہوا۔ ایک دن شام کو منصور کے نوکر نے ہمیں آکر یہ اطلاع دی کہ منصور صاحب شملے سے واپس آگئے ہیں اور بیمار ہیں اور آپ کو یاد کرتے ہیں۔ میں اور ناصر بھائی فوراً منصور کے ہاں پہنچے وہی سوچتا ہوا چہرہ، وہی زردی میں گھلا ہوا رنگ، اس نے چشمہ اتارا ہوا تھا اور میں نے محسوس کیا منصور کی آنکھوں کی چمک قدرے بڑھی ہوئی تھی، ناصر بھائی نے کہا ——

"منصور ڈاکٹر بلوایا تھا یا نہیں؟"

"نہیں" منصور نے کہا۔

"کیوں؟" میں نے پوچھا۔

"ارے! تم لوگ اس تھوڑے سے عرصہ میں منصور کے تمام اصول بھلا چکے ہو۔ یہ محسوس کر کے مجھے افسوس ہوا جب تک انسان کا ذہن صحت مند ہے جسم کا مرض اس پر حاوی نہیں ہو سکتا، کمبخت نوکر مجھے اطلاع دیئے بغیر ڈاکٹر کو بلا لایا تھا، میں نے اس سے ادھر ادھر کی باتیں کر کے ٹال دیا" منصور رک گیا پھر تھوڑی دیر بعد سرگوشی کے لہجے میں بولا "تم جانتے ہو ابا میاں کے ڈاکٹر ہونے سے مجھے ڈاکٹروں سے نفرت ہے؟"

"کیا؟" ناصر بھائی نے سوال کیا۔

"یہ ٹھیک ہے۔" اس نے رو دیا۔

"مگر کیسے؟" میں نے پوچھا

"تمہیں علم نہیں — گھر میں کسی کو رتی برابر بھی تکلیف ہو، ابا میاں فوراً دس پندرہ دوائیاں پلا دیتے ہیں، سو ڈیڑھ سو قسم کی ہدایات دے دیتے ہیں۔" وہ رک کر بولا — "اب تم خود سوچو آخر ایسا بھی کیا ہے بھئی، بعض بیماریاں انسان کو پسند ہوتی ہیں۔ مثلاً مجھے زکام پسند ہے۔ اس میں انسان کی آواز ذرا بھاری ہو جاتی ہے، آنکھیں ہر وقت بھیگی بھیگی رہتی ہیں۔ لڑکیوں کو یہ زکام بہت ہٹ کرتا ہے اور مجھے تو جان سے عزیز ہے، آواز بہت ہی پرسوز ہو جاتی ہے۔"

اس نے یہ کہہ کر ایک لمبا گہرا سانس لیا۔

کافی دیر وہاں بیٹھنے کے بعد جب ہم چلنے لگے تو منصور نے مجھے روک کر کہا

"تم میاں صاحبزادے میرا کوٹ پہن جاؤ۔"

"نہیں ٹھیک ہے۔" میں نے کہا

"پہن لو۔" منصور نے رعب سے کہا: "تمہارا ذہن اتنا صحت مند نہیں کہ باہر کی سردی برداشت کر سکے۔" وہ خاموش ہو گیا اور میں نے فوراً حکم کی تعمیل کی

گھر پہنچ کر کوٹ اتارتے وقت حسب عادت میرا ہاتھ جیب میں گیا تو مجھے ایک ڈائری ملی خوبصورت چھوٹی سی کالی ڈائری، پہلے خیال آیا کہ کسی کی ڈائری پڑھنا خلافِ تہذیب ہے، پھر اس تصور سے کہ منصور سے کہہ دوں گا میں نے دل کو بہلایا، اور ورق گردانی شروع کر دی ---

میری حیرت کی کوئی حد نہ رہی، یہ منصور نے کیا کیا تھا میں عجیب الجھن میں مبتلا تھا، یقین ہی نہ آتا تھا کہ منصور یہ بھی کر سکتا ہے، آخر اس تصور سے کہ جنبش سے کوئی بات بعید نہیں، ڈائری کے چند صفحات پیش کرتا ہوں،

۸ رمئی ---

صبح اٹھا تو سر میں سخت درد تھا، گردن اکڑی ہوئی تھی، نوکر نے کہا ڈاکٹر کو بلا لاؤں، تو میں نے اسے جھاڑ دیا، گذشتہ رات کی ڈنر پارٹی بھی خوب تھی مجھے میزبان کی نوجوان لڑکی فوزیہ کی وہ پیار بھری نگاہیں کتنا سکون بخشتی تھیں، وہ گول کمرے کی تابانیاں وہ مسکراتے ہوئے چہرے وہ خوش رنگ لباس، رات کی پارٹی خوب کامیاب رہی، اور سب سے بڑی کامیابی تو یہ تھی کہ فوزیہ میرے ساتھ باتیں کرتے کرتے باہر کوٹھی کے باغ میں آگئی ۔ کتنی

ملائمت سے مسکرا رہی تھی وہ، اس نے مسکراتے ہوئے مجھے دیکھا، مسکراتے ہوئے میری باتیں سنیں اور مسکراتے ہوئے ہلکی پھلکی باتیں کیں۔ رات میں چاندنی کے روپہلی آنچلوں اور مسکراہٹوں کے سیمگوں ہیولوں میں گھرا ہوا تھا ــــــ

اور وہ شخص ــــــ وہ کمینہ حق داد، کتنا گھٹیا اور ٹھوس نام ہے، کمبخت جانے کہاں سے میرے اور فوزیہ کے درمیان آگیا، یکدم ناہنجار نے سارے ماحول کو بے رنگ بنا دیا، اتنے پر کیف اور مدہوش لمحات میں اس خر دماغ نے اپنے مکروہ اور بھدے ہونٹ پھیلاتے ہوئے پوچھا تھا ــــ

"آپ نے یہ ٹائی کتنے میں خریدی ہے؟"

یہ لوگ ایسی محفلوں میں جانے خرید و فروخت کی باتیں کیوں کرتے ہیں فوزیہ نے بہت ہی اچھا کیا جو چلی گئی، ورنہ میں اسے غصے میں ضرور کچھ سنا دیتا، پھر اس نے میرے تمام لباس، چشمے کے سنہرے فریم اور جانے کن کن چیزوں کی قیمتیں دریافت کیں اور پھر ستم ظریفی ملاحظہ ہو۔ گاؤدی نے جاتے جاتے یہ بھی سوال کر لیا ــــ

"حضرت آپ بال کہاں کٹواتے ہیں ــــ یہ شیو آپ خود بناتے ہیں کیا؟"

اور آخر میں جب اس نے اپنے ڈرَیس سوٹ کی سوانح حیات پر کچھ روشنی ڈالنا چاہی تو میں بھاگ کر سیدھا اپنے گھر پہنچا ـــــ اف توبہ!

تبھی میرے سر میں درد ہے۔

۹ر مئی ـــــــــــ

میرے سر میں اب بھی درد ہے، اخبار میں پرسوں کی دعوت کا ذکر ہے مہمانوں کی ایک طویل فہرست میں میرا نام اول ناموں میں شامل ہے اور اس نامنجار حق داد کا نام نہیں کتنی نفیس غلطی کی ہے اخبار والوں نے ـــــ مجھے تو "اسپرو" کا کام دے رہی ہے یہ بات!

آج میں اپنے "سٹڈیو" میں بہت تھوڑے وقت کے لئے گیا، کلرک نے بتایا ایک لڑکی آئی تھی، جب اس نے نام بتایا تو سن کر بہت مایوسی ہوئی۔ ریحانہ! یہ لڑکی بھی عجیب ہے۔ جاسوس معلوم ہوتی ہے۔ یا پھر جاسوسی ناول پڑھتی ہے یا جاسوسی پکچریں دیکھتی ہے۔ بہرحال بڑی باقاعدگی سے تعاقب کرتی ہے اور پھر ـــــ اس کے مسلسل سوالات:

"میرا لباس کیسا ہے۔ آپ کو پسند ہے؟"

"یہ پرس کیسا ہے، اس کا رنگ کیسا لگتا ہے؟"

"نیل پالش کا یہ شیڈ تمہیں کیسا لگتا ہے؟"

"میں کونسی کار خریدوں؟"

"بیوک کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟"

"میکس فیکٹر کی پنسل میں براؤن شیڈ کیوں نہیں ملتا؟"

کاش ریحانہ ان باتوں کی بجائے اپنے متعلق کبھی پوچھے، تو صاف صاف اسے کہہ دوں —— ریحانہ تم —— لڑکی بہت ہی کم ہو "شو کارڈ" زیادہ ہو میرا مطلب ہے تم نمائش کا ایک رنگین پوسٹر ہو، جوہری کا "شوکیس" ہو —— تم آرائش بہت زیادہ اور ریحانہ بہت کم ہو ——

مگر نہیں، مجھے یقین ہے وہ اپنے متعلق کبھی نہیں پوچھے گی۔

۱۲ مئی ——

آج سینما میں فوزیہ اپنے والد کے ساتھ آئی ہوئی تھی، کتنی پیاری لگ رہی تھی وہ سفید ساڑی میں، میں اس کے والد سے دیر تک باتیں کرتا رہا، پھر پکچر ختم ہونے پر انہوں نے مجھے اپنے گھر چلنے کو کہا —— میں ان کے ساتھ ہو لیا وہ اگر

نہ بھی کہتے تو میں ان کے ساتھ ضرور جاتا۔ آج فوزیہ بہت ہی پیاری معلوم ہو رہی تھی
ہم دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے اور کافی پیتے رہے پھر فوزیہ کے والد اور
والدہ چلے گئے اور فوزیہ میرے ساتھ کمرے میں اکیلی رہ گئی۔

ہم دونوں کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے پھر فوزیہ میرے کاروبار کے متعلق یونہی
سی باتیں کرنے لگی تھوڑی دیر بعد ہم اس ماحول سے اکتا کر باہر باغ میں چلے آئے
ہلکی ہلکی خنک ہوا چل رہی تھی، پہاڑوں کی چوٹیاں ہلکی دھند میں لپٹی ہوئی تھیں
فوزیہ آج شاید کچھ سوچنے کے موڈ میں تھی وہ کسی گہری سوچ میں گھری ہوئی تھی میں
نے آخر پوچھ ہی لیا۔ مگر خیریت گذری کوئی خاص بات نہ تھی وہ صرف پکچر سے متاثر
ہوئی تھی جو ہم کچھ دیر پہلے دیکھ کر آئے تھے۔

ہیرو کے دردناک انجام نے اسے غمگین بنا دیا تھا میں نے اسے تسلی دیتے
ہوئے کہا ـــــ

"فوزیہ! افسردہ تو مجھے ہونا چاہیئے۔ یہ تم میرا غم کیوں محسوس کر رہی ہو؟"
وہ شاید یہ سنکر گھبرا گئی اور باغ میں تیز تیز چلنے لگی پھر ہم خاموش ہو گئے۔
اور پھر فوزیہ سڑک پر مجھے چھوڑنے کے لئے دور تک میرے ساتھ آئی۔

اس نے کچھ برا مانا جبھی اس نے بہانہ کیا کہ میں اپنی چھڑی لینے آیا ہوں جو میں یہاں بھول گیا تھا، میرے ہاں اس کی چھڑی نہ مل سکی اور وہ منہ بنائے ہوئے چلا گیا۔

۲۷ر مئی ——————

آج میں نے سلیم کو ایک نئی چھڑی خرید کر بھیج دی ہے اب شاید وہ غم بھول جائے گا جو میں نے اسے دیا تھا، آج فوزیہ بھی نہیں ملی، ریحانہ نے آج مجھے چائے کی دعوت دے کر سوالات کا ایک ختم نہ ہونے والا سلسلہ شروع کر دیا، چائے بہت مہنگی پڑی —— رات اس بوریت کی وجہ سے اچھی طرح نیند بھی نہ آئی۔

۲۸ر مئی ——————

آج کچھ لکھنے کو جی نہیں چاہتا۔

۲۹ر مئی ——————

آج کچھ بھی لکھنے کے لئے نہیں۔

۱ر جون ——————

سلیم نے عجیب خط لکھا ہے

۱۶ر مئی ——

تین دن میں بہت مصروف رہا۔ سٹوڈیو میں کام زیادہ تھا، پل بھر کی فرصت نہ ملی، کوئی ملنے کے لئے بھی نہیں آیا۔

ریحانہ بھی آجکل تعاقب نہیں کر رہی۔

۲۳ر مئی ——

پچھلا ہفتہ نہایت اچھا گذرا، فوزیہ قریب قریب روز ہی ملتی رہی، ریحانہ نے دو مرتبہ تعاقب کیا مگر کامیاب نہ ہو سکی، بہرحال اس نے اپنے وہ سوال ضرور کسی اور سے کئے ہوں گے۔

سلیم! کراچی سے واپس آگیا ہے اس کی صحت پہلے سے کچھ خراب ہے شاید آب و ہوا موافق نہیں آئی اسے، ویسے اس کا بسکٹوں کا کاروبار بہت اچھا ہے۔

۲۴ر مئی ——

آج سلیم آیا تھا میری طبیعت کچھ اچھی نہ تھی میں اسے اچھی طرح نہ مل سکا

میرے دوست —— میرے بھائی

برا مان گئے۔ مجھے تو بعد میں معلوم ہوا کہ وہ چھڑی میرے گھر میں موجود ہے میں نے خواہ مخواہ تمہیں تکلیف دی بہرحال تمہاری بھیجی ہوئی چھڑی بہت خوبصورت ہے، یہ فوزیہ کا انتخاب ہے کیا؟ حسین تحفے کا شکریہ!

سلیم

عجیب آدمی ہے یہ بھی فوزیہ میرے دوستوں کے لئے چیزیں ہی تو انتخاب کرے گی —— ہوں!! اسے بھلا کیا دلچسپی ہوسکتی ہے میرے دوستوں کے معاملے میں۔

۳ر جون ——

آج فوزیہ نے مجھ سے اچھی طرح بات نہ کی۔

فوزیہ کو جانے کیا ہو گیا ہے کچھ مضمحل سی ہو گئی ہے —— یا شاید فکرمند رہتی ہو —— مگر اسے بھلا فکر کاہے کی ویسے بھی کچھ کمزور ہو گئی ہے، رخساروں پہ زردی آگئی ہے مجھے تو کچھ پوچھنا ہی تھا مگر جانے کیوں وہ مجھے دیکھ کر جیسے چڑ سی

گئی، عجیب سی صورت بنائی تھی اس نے مجھے دیکھ کر۔

خیر پھر ملوں گا شاید بھول جائے۔

۴، جون ———

آج سٹوڈیو جانے کو بالکل جی نہ چاہتا تھا مگر جوں توں کر کے پہنچ ہی گیا کلرک عجیب بے تکی باتیں کرنے لگا، کمبخت ڈھیل دے دو ان دو ٹکے کے آدمیوں کو تو جانے خود کو کیا سمجھنے لگتے ہیں میں نے بھی خوب خبر لی ہے کمبخت کی — آئندہ سوچ سمجھ کر بات کرے گا۔

میری میز پہ گرد پڑی تھی شاید صاف نہ کی گئی تھی، چپڑاسی بھی کلرک کو دیکھ کر بگڑ گیا ہے جب نوکری کے لئے آتے ہیں تو کتنے مسکین صورت ہوتے ہیں یہ لوگ — اور کچھ دنوں بعد تو جہاں نوکری کرتے ہیں مالک سمجھنے لگتے ہیں خود کو —

ذرا ڈانٹ بتائی تو رونے کے لئے تیار ہو گیا کمبخت!

۶، جون ———

آج ایک گاہک سے لڑائی ہوتے ہوتے رہ گئی یہ مانا کہ دکاندار کو بڑی

نرمی سے پیش آنا چاہیئے مگر یہ بھی کیا کہ گاہک اس کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھانے لگے۔

خواہ مخواہ بضد تھے کہ ان کی ناک میں نے ٹیڑھی بنادی ہے۔
چغد کہیں کے اتنا ناک کا خیال تھا تو خودکشی کیوں نہ کرلی غیرت سے۔
کوسنا ہے تو قدرت کو کوسے، مجھے کیا غرض پڑی ہے کہ قدرت کا ہاتھ بٹاؤں۔

۱۱ر جون ———

پچھلے تمام دن بہت برے گذرے ہیں، ہر شے سے جیسے نفرت ہوگئی ہے کسی کام کو بھی توجی نہیں چاہتا ہر شخص زہر کھائی دیتا ہے، ریحانہ ان دنوں اچھا ہوا جو نہیں ملی ورنہ شاید بےچاری کے نازک خیالات کے مرمریں ایوان میری چند باتوں سے ڈھیر ہوجاتے۔

اب تو مجھے یہ احساس ہونے لگا ہے جیسے زندگی بوجھ ہوگئی ہے ایک ناقابل برداشت بوجھ، صبح شام دن رات کسی میں بھی تو کوئی دلکشی نہیں رہی ——— وقت کی رفتار جانے اتنی سست کیوں ہوگئی ہے۔

سوچ رہا ہوں لاہور واپس چلا جاؤں۔

میں شاید کچھ قنوطی ہو گیا ہوں، مگر نہیں ——— ماحول ہی بڑا اذلیل رنگ اختیار کر گیا ہے اس میں میرا کوئی قصور نہیں ساری دنیا ہی کچھ اکتائی ہوئی کچھ تھکی ہوئی معلوم ہو رہی ہے، اب تمام کائنات کے باشندے تو قنوطی نہیں ہو سکتے ——— یا شاید ہو سکتے ہیں ———

خیر ناممکن بات تو کوئی بھی نہیں کم از کم اس دور میں ———

۱۷ر جون ———

فوزیہ! ایک مدت سے دہلی گئی ہوئی ہے اتنا بھی نہ ہو سکا اس سے کہ اطلاع ہی کر جاتی، یا پھر وہاں جا کر کوئی خط لکھ دیتی۔

شاید بہت مصروف ہو سیر و تفریح میں، یا شاید وہ یہ بتانا ہی نہ چاہتی ہو، ہو سکتا ہے کہ اسے مجھ سے کوئی شکایت ہو مگر میں نے تو اس سے کوئی ایسی بات نہیں کی پھر کیا بات ہو سکتی ہے؟ یہ بھی ناممکن ہے کہ وہ مجھ سے اکتا گئی ہے، یا شاید کوئی اور اس کی زندگی میں آ گیا ہو ———

خیر دہلی سے اس کی واپسی تک یہ تمام سوالات میرے ذہن ہی میں گونجتے رہیں گے ان کا جواب تو وہی دے سکتی ہے!

۲۰ر جون ــــــــ

سوچتا ہوں اس جون کے مہینے میں شملے کی رہنے والی لڑکی دہلی کیا کرنے گئی ہے۔

دہلی اور جون کے مہینے میں ــــ

اس کے والد سے ملا جایا ـــــ مگر شاید وہ بھی گیا ہو، بہرحال ان کے گھر جاکر پتا تو کرنا چاہیئے۔

خیر، اس کے آنے کا انتظار کرتا ہوں۔

۲۱ر جون ــــــــ

میں نے ایک کتا خرید لیا ہے، بڑا خوبصورت ہے یہ کتا، سفید اور سیاہ، باسلیقہ، خاموش مزاج، شرمیلا، بااخلاق خوبصورت جسم ـــــ چمک دار اور نرم بال۔

انسان سے تو کتا ہی اچھا ہے اس میں کس چیز کی کمی ہے؛ صورت اور سیرت میں میرا یہ کتا ایک مثال کی طرح پیش کیا جاسکتا ہے۔

۲۳ جون ———

کتے سے میرے تعلقات بہت خوشگوار ہوتے جا رہے ہیں وہ میرے ہر اشارے اور ہر موڈ کو سمجھنے لگا ہے وہ مجھے دیکھ کر مسکراتا ہے میری طرف ہر آن متوجہ رہتا ہے اور میرے اشاروں کا منتظر دکھائی دیتا ہے۔

میرا خیال ہے یہ میری زندگی کا بہترین ساتھی ثابت ہوگا۔

۲۷ جون ———

اب شام کی سیر میں کتا میرا بڑی خوش اسلوبی سے ساتھ دیتا ہے وہ باقاعدہ ہر قدم میرے ساتھ اٹھاتا ہے، وسیع اور پر رونق مال روڈ پر چلتے ہوئے لوگ حسرت اور رشک سے ہم دونوں کو دیکھتے ہیں، مگر میرا کتا میری ہی طرح بے نیاز بڑے سکون اور اطمینان سے چلتا رہتا ہے۔

"سیکنڈل پوائنٹ" مال روڈ کا پر ہجوم حصہ ہے یہاں طرح طرح کے بے ہنگم لوگ اور رنگ برنگے بے ڈول کتے کھڑے ایک دوسرے کا مغز چاٹتے ہیں، مجھے اور میرے کتے کو یہ جگہ بہت ناپسند ہے۔

کبھی میں کتے کو سیر کرانے اور کبھی کتا مجھے سیر کرانے لے جاتا ہے، دوستی

میں ہونا بھی یونہی چاہیئے۔ دوست کو دوست کے احساسات کا خیال رکھنا چاہیئے۔

اور اگر یوں نہ ہو تو دوستی بہت وقتی، غرض اور کمینگی پر منحصر ہوتی ہے۔

اور اگر یوں ہو تو دوستی حسین، مکمل اور دیرپا ہوتی ہے

۲؍جولائی ـــــــــ

آج میں نے اپنے کتے کا نام تجویز کیا ہے اسے یہ نام بہت ہی پسند ہے "رفیق" سنتے ہی وہ اچھل پڑتا ہے اور والہانہ انداز میں قدموں میں لوٹنے لگتا ہے؛ بے حد شکر گذار معلوم ہوتا ہے۔ خوش ذوق جو ٹھہرا۔

اسی لئے میرے دیئے ہوئے نام کی قدر کرتا ہے۔

۵؍جولائی ـــــــــ

میں نے آج "رفیق" سے کہہ ہی دیا، مگر بڑے سرگوشی کے انداز میں اور بڑی ملائمت کے ساتھ ـــــ

"دیکھو رفیق! برا نہ ماننا، بات یہ ہے کہ میں تمہیں کتا نہیں سمجھتا ـــ اس

لئے پیارے "تم مجھے دیکھ کر دم نہ ہلایا کرو" وہ پہلے تھوڑی دیر میری طرف مشکوک نظروں سے گھورتا رہا پھر منہ پھیر کر مسکرایا ـــــ اور میں نے محسوس کیا کہ اس نے میری بات کا برا نہیں مانا ـــــ

آج رفیق نے مجھے پرکھا اور میں کھرا نکلا

۷ جولائی ـــــ

آج ریحانہ چائے پر میرے گھر آئی تھی۔ اسے "رفیق" بہت پسند آیا ہے مگر وہ شکایت کرتی تھی کہ "رفیق" اس سے بیگانگی برت رہا ہے اس نے "رفیق" سے باتیں کیں اسے پیار کیا اسے چاکلیٹ کھلایا، رفیق نے سب کچھ برداشت کیا مگر میری طرف دیکھتا رہا ـــ

جیسے کہہ رہا ہو کیا کروں مہمان ہے مجبوری سمجھو ـــ

ریحانہ "رفیق" میں اتنا کھو گئی کہ اپنے تمام سوالات بھول گئی۔

آج ریحانہ مجھے اچھی لگ رہی تھی۔

۱۰ جولائی ـــــ

اب میں بھی کچھ کچھ "رفیق" کی زبان سمجھنے لگا ہوں۔

۱۲ جولائی ——

آج فوزیہ کانو کو آیا تھا، وہ دہلی سے پورے سوا مہینے کے بعد آئی ہے، اس نے آج مجھے چائے پر مدعو کیا تھا، میں چائے پر گیا، فوزیہ نے مسکراتے ہوئے بڑے گرمجوشی اور پیار بھرے انداز کے ساتھ میرا استقبال کیا، مگر پھر بھی اس استقبال میں "رفیق" کا سا خلوص نہ تھا۔

وہ چائے پر دہلی کی بہت ہی باتیں سناتی رہی اپنی سہیلیوں کے قصے نئی دہلی کی سڑکیں اور ہجوم، لال قلعہ اور قطب مینار، اور جانے کیا کیا۔

مگر میں زیادہ وقت وہاں نہ ٹھہر سکا فوزیہ نے تعجب ظاہر کیا، مگر میں مجبور تھا میں نے صاف صاف کہہ دیا ——

"فوزیہ! معاف کرنا —— مجھے شام کی سیر کے لئے "رفیق" کے ساتھ جانا ہے"

اُس نے اس بات کا برا مانا مگر اس سلسلے میں بھلا میں کیا کر سکتا ہوں، اب یہ تو مجھ سے ہو نہیں سکتا کہ میں انسان کے لئے اپنے مخلص "رفیق" کا ساتھ چھوڑ دوں۔

یہ بات مجھ سے نہیں ہو سکتی۔

۱۷ جولائی ——

فوزیہ اب کچھ ضرورت سے زیادہ ملنسار ہو گئی ہے اب تو وہ سٹڈی میں

دن میں ایک، دو بار ضرور آتی ہے اس کی فرمائش ہے کہ میں اس کی تصویر بنا دوں۔

مگر میں آجکل بہت مصروف ہوں، بازار کا کام بھی چھوڑ رکھا ہے، میں "رفیق" کا "PORTRAIT" تیار کر رہا ہوں۔

بہرحال میں نے فوزیہ سے وعدہ کر لیا ہے کیا حرج ہے بنا دیں گے اس کی بھی تصویر، وہ چاہے حالات کی وجہ سے کچھ بھی ہو جائے مگر جہاں تک میرا خیال ہے وہ دل کی بری نہیں۔

بنا دیں گے اس کی بھی تصویر ــــ

۱۹ر جولائی ــــــ

دو دن فوزیہ نہیں ملی ــــ ریحانہ آئی تھی وہ اپنے جنم دن کی تاریخ بتا گئی ہے، سوچ رہا ہوں کہ اسے جنم دن پہ کیا تحفہ دوں میرا خیال ہے کہ اس کو اس کی تصویر بنا کر پیش کر دوں، یہ تحفہ ٹھیک رہے گا۔

کم از کم انفرادیت تو ہو گی اس میں۔

۲۰ جولائی ——

آج سلیم آیا تھا، وہ کل ہی کراچی سے واپس آیا ہے اسے "رفیق" بہت پسند آیا ہے۔ "رفیق" بھی سلیم کو ناپسند نہیں کرتا مگر اس کے باوجود بے تکلف بالکل نہیں۔

۲۴ جولائی ——

آج میں نے "رفیق" کی سالگرہ منائی تھی اور اسے اس کی تصویر اپنی طرف پیش کی، جو اس نے بخوشی قبول کی، تمام مہمانوں نے رفیق کو مختلف تحائف دیئے۔ رفیق نے تمام تحائف قبول کر لئے مگر دو تحفے شکریے کے ساتھ رد کر دیئے۔

پہلا تحفہ تو ایک آئینہ تھا جو اس نے اپنے مہمان کو واپس دیتے ہوئے کہا ——

"حضرت! مجھے پورا اعتماد ہے کہ میں خوبصورت ہوں اور مجھے آرائش وغیرہ کی قطعاً ضرورت نہیں"۔

دوسرا تحفہ پاکٹ واچ تھی جسے بصد احترام واپس کرتے ہوئے اس

نے کہا —

"معاف کیجئے! مجھے زمان و مکاں کی حدود میں مت الجھائیے۔"

سلیم کے بسکٹ، ریحانہ کی ٹائی اور میری تصویر "رفیق" کو بہت پسند تھی فوزیہ نے "رفیق" کو اون کی جرسی دی تھی، جرسی تو رفیق کو پسند نہ آئی مگر اس کی مسکراہٹ ذرا دل کو بھا گئی تھی شاید۔

"رفیق" ریحانہ سے کچھ کھچا کھچا سا رہتا ہے میرا خیال ہے سادگی پسند "رفیق" ریحانہ کی آرائش سے کوفت محسوس کرتا ہے مگر یہ اُسے کہہ کیوں نہیں دیتا؟

شاید بے تکلف ہونا پسند نہیں کرتا۔

۲۸ر جولائی ——

آج میں فوزیہ کے ہاں ڈنر پر مدعو تھا۔ میری طبیعت کچھ اچھی نہ تھی مگر اس کے باوجود میں وہاں پہنچا فوزیہ کچھ سنجیدہ تھی ڈنر کھا چکنے کے بعد کافی کا دور چلا، کافی پی چکنے کے بعد دیر تک ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں مگر فوزیہ اس دوران میں بالکل خاموش رہی ——

پھر محفل برخاست ہوئی اور میں اور فوزیہ اکیلے رہ گئے۔

اس نے بڑی معصومیت سے کہا۔

"آپ سے ایک بات پوچھوں؟"

"ضروری بات ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں!" اس نے اعتماد سے کہا

میں پہلے تو بہت حیران ہوا، میں نے زندگی میں فوزیہ کو کبھی اس درجہ سنجیدہ نہیں دیکھا تھا۔ میں نے کہا۔

"فوراً پوچھو فوزیہ۔"

اس کے بعد فوزیہ نے بڑی سنجیدگی سے شکایات کا ایک طویل سلسلہ چھیڑ دیا۔

"آپ بدل گئے ہیں، آپ کی ہر بات میں بیگانگی ہے آپ بڑی روکھی باتیں کرتے ہیں آپ بالکل وہ نہیں رہے، کیا میں اسی برتاؤ کے قابل ہوں — آپ کی نظریں بدلی ہوئی ہیں آپ وہ تمام باتیں فراموش کر چکے ہیں جن کے ساتھ میری زندگی اور میری زندگی کی تمام تر رعنائیاں وابستہ تھیں آپ مجھ سے علیحدہ ہونے کے لئے پورے طور پر کوشاں ہیں اب تو آپ بہانے تلاش

کر رہے ہیں آپ آخر میرا قصور بتائیے ! آپ مجھے میری بے تعلقی کی مجھے بتا کر سزا دے سکتے ہیں ___ اگر آپ کے دل میں کوئی بات ہے تو آپ صاف کہیئے ___ آپ تو مرد ہیں ۔"

اور اس کے بعد ___

فوزیہ کی آنکھیں شبنمی ہو گئیں اس کے گلابی ہونٹوں کے گوشے کپکپانے لگے لمبی پلکیں بھیگ کر جھک گئیں ابروؤں کا تناؤ ٹوٹ گیا پیشانی کی شکنیں الجھ گئیں اور تابندہ رخسار جلنے لگے اس کے کندھے ڈھلکے ہوئے تھے ۔

میرے تمام بدن میں ایک بجلی سرایت کر گئی میں نے ندامت محسوس کرتے ہوئے کہا ۔

" فوزیہ ! یہ سب کچھ غلط ہے تم نے مجھے بہت غلط سمجھا ہے اب میں ان تمام باتوں کا جواب دے کر تم پر یہ اثر چھوڑنا نہیں چاہتا کہ میں تمہیں دلاسے اور تسلیاں دے رہا ہوں ___ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تم مجھے " رفیق " کی طرح عزیز ہو بلکہ ایک لحاظ سے میں تمہیں رفیق سے زیادہ چاہتا ہوں ، تم میری اس سے پہلے کی دوست ہو ۔

میں دیر تک بولتا رہا ___ اور پھر آہستہ آہستہ شکوک کے گہرے بادل

چھٹ گئے مسکراتے ہوئے چہرے پر ایک روشنی پھیل گئی اور مسکراہٹ کی کرنوں سے سارا ماحول جگمگانے لگا۔

۱۱راگست ــــــ

آج ریحانہ کا جنم دن تھا۔ میں زیادہ دیر اس کے ہاں نہ ٹھہر سکا، میں نے ریحانہ کے جنم دن پر اس کی تصویر جو میں نے اس کے لئے بنائی تھی اسے پیش کر دی اور گھر چلا آیا ــــ

۱۳راگست ــــــ

ریحانہ نے مجھے خط لکھا ہے بڑے غصے میں لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

! ــــــ

مجھے افسوس ہے کہ تم نے میری سالگرہ پر ایک ہجوم میں میرا مذاق اڑایا ہے یہ بھلا کیا تصویر بنائی تھی تم نے ! میرے کپڑے بال، لپ سٹک ناخن اور نکلس تو واضح تھے اور میرے چہرے کے نقوش بالکل غائب ــــ نہ آنکھیں نہ ناک اور نہ

کان اور ہونٹ وغیرہ بلکہ ہونٹوں کی جگہ لپ اسٹک کے بھدے نشان اگر لپ اسٹک لگانی نہیں آتی تھی تو مجھے بلا لیا ہوتا ـــــ

بہرحال میں نے بھرے ہجوم میں کہہ دیا ـــــ

"حضرات! میرے یہ دوست، ذرا ان کا دماغ غیر حاضر رہتا ہے جانے جلدی میں کوئی پوسٹر اٹھا لائے تھے، خیر! تم نے یہ اچھا نہیں کیا ـــــ

یہ سراسر زیادتی تھی اور تمہیں معافی مانگنی ہوگی۔

ریحانہ

عجیب بات ہے!

۱۷ اگست ـــــ

"رفیق" شاید فوزیہ سے جلتا ہے، جانے کیا بات ہے کہ فوزیہ کے آتے ہی اس کے چہرے کی تمام تر رونق اچانک مفقود ہو جاتی ہے اور وہ اداس آنکھیں جھکائے دوسرے کمرے میں چلا جاتا ہے۔

۱۰ راگست

میں نے فوزیہ کی تصویر بنانی شروع کر دی ہے، آجکل جتنا "رفیق" اداس ہے، فوزیہ اتنی ہی خوش اور شوخ نظر آتی ہے۔

۲۰ راگست

آج شام کی سیر میں "رفیق" اور فوزیہ میرے ساتھ تھے ہم نے بہت لمبی سیر کی، اب "رفیق" کی نظر بھٹک گئی ہے ذراسی آواز پر وہ چونک جاتا ہے "سکینڈل پوائنٹ" سے اب وہ اتنی بے پروائی سے نہیں گذرتا بلکہ مدھم رفتار سے اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے گذرتا ہے۔

بہرحال موسم بہت اچھا ہے، تمام ماحول میں رنگ شوخی اور مسکراہٹیں تھیں، خوشی کی لہر نے ہر چہرے کو جاذبِ نظر بنا رکھا تھا۔

اس کے باوجود "رفیق" بہت اداس تھا۔

۲۸ راگست

پچھلے تمام دن بہت خوبصورتی اور مصروفیت سے گزرے، فوزیہ کا

(PORTRAIT) تیار ہو گیا ہے وہ اس تصویر پر بہت نازاں ہے۔ یہ احساس میرے لئے بھی کم تسکین دہ نہیں، رفیق، کچھ دنوں سے سست ہے اس نے بہت مکمل اور مسلسل خاموشی اختیار کر رکھی ہے مجھے تو بیمار معلوم ہوتا ہے۔

ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ اسے کوئی غم ہے! فوزیہ یہ سنکر مسکرا دی تھی۔

غم؟ عجیب بات ہے۔

۳۰ راگست

آج، رفیق، کو میں پھر ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا کیونکہ اس کی خاموشی شدت اختیار کرتی جا رہی ہے، ڈاکٹر مُصر ہے کہ اسے کوئی جسمانی مرض نہیں، بلکہ اسے کوئی روحانی تکلیف ہے، میرا خیال ہے اسے کسی ماہر نفسیات کے پاس لے جایا جائے۔

اچھا کل سہی!

۲ر ستمبر

آج میں رفیق کو ایک مشہور ماہر نفسیات کے پاس لے گیا، اس نے

کانی تحقیق کے بعد یہ نتیجہ نکلا ہے کہ اسے کوئی روحانی صدمہ پہنچا ہے یہ پرانے تمام واقعات بھول چکا ہے یعنی اس کا ماضی اس کے لئے اب کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور اب یہ بمشکل ٹھیک ہوگا۔

فوزیہ کا کہنا ہے کہ اسے اب گھر سے نکال دیا جائے۔ میرا بھی یہی خیال ہے اب اس بیچارے کا اس کے سوا اور کیا علاج کر سکتا ہوں کہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دوں۔

آہ! میری ان تھک کوششوں کا کوئی نتیجہ نہ نکل سکا۔

۴ ستمبر

آج بے بس ہو کر رفیق، کو میں نے گھر سے نکال دیا ہے، گھر کچھ خالی خالی سا نظر آتا ہے۔ فوزیہ بھی ناراض ہے اس کا کہنا ہے کہ تم مجھ سے زیادہ اپنے کتے کی پرواہ کرتے ہو۔

تم کتے کو انسان سے افضل سمجھتے ہو؟

اس نے مجھ سے یہ سوال کیا تھا، میں اسے جواب نہ دے سکا، اور وہ ناراض ہو کر چلی گئی۔

بہرحال میں نے "رفیق" کو گھر سے نکال دیا ہے۔

۱۷ر ستمبر

"رفیق" سڑک پر ادھر ادھر تنہا پھرتا ہوا اور کچھ سوچتا ہوا نظر آتا ہے کبھی کبھی تو میں اس کو دیکھ کر سوچتا ہوں کہ اس تمام کھیل کا ذمہ دار میں ہوں میرے ہی رویے کی وجہ سے "رفیق" کو آج یہ دن دیکھنا نصیب ہوا۔ میں جب اس کی زندگی میں داخل ہوا تھا تو وہ کتنا مسرور و شادماں تھا ہر وقت مسکراتا نظر آتا، اور اب — اب!

آہ! یہ میں نے کیا کیا؟

کبھی کبھی جب یہ سوال شدت سے میرا ذہن میں گونجتا ہے تو مجھے احساس ہوتا ہے کہ انسان کتنا کمینہ ہے، اس وقت انسان کی ذلت اور خود غرضی کے خیال سے میری آنکھیں جھک جاتی ہیں۔

۲۲ر ستمبر

آج میں نے اپنا سامان بندھوا لیا ہے کل صبح لاہور روانہ ہو جاؤں گا۔

لاہور! جہاں رفیق کی طنزیہ نگاہیں نہ ہوں گی۔

لاہور! جہاں رفیق اور میرے درمیان ایک فاصلہ ہوگا۔

لاہور! جہاں شاید فوزیہ کا تصور بھی دھندلا جائے۔

لاہور! جہاں سے میں بھاگ کر آیا تھا اور بھاگ کر جا رہا ہوں۔

کاش یوں نہ ہوتا!

کاش! یوں ہوتا!

مگر یہ سب میری خطا ہے۔ میں قسمت پر تو یقین ہی نہیں رکھتا قسمت تو

انسان خود بناتا اور بگاڑتا ہے۔ انسان! کمینہ ہے۔

قسمت! ہا ہا ہا ہا ——— ہا ہا

اس کے بعد منصور کی تمام ڈائری خالی تھی، کہیں کہیں حساب کتاب لکھا ہوا تھا میں نے یہ تمام ڈائری ناصر بھائی کو سنائی ناصر بھائی کو بھی بہت حیرت ہوئی، منصور، مصور، ریحانہ، فوزیہ اور پھر سب سے اہم کردار رفیق" آخر کیا تھا یہ سب کچھ اور فلسفے کا طالب علم منصور شملے میں ایک ہلکا پھلکا رومان پسند مصور بن کر زندگی گذار آیا تھا۔

منصور سے پوچھیں گے؟" ناصر بھائی نے کہا۔

"کیا؟" میں نے پوچھا

"یہی سب کچھ شملے کے سارے حالات، فوزیہ، ریحانہ اور زرفیق" کے متعلق ——— اور کیا" ناصر بھائی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

" ارے یہ غضب نہ کرنا! اگر اسے پتہ چل گیا کہ میں نے اس کی ڈائری پڑھ لی ہے تو آفت آ جائے گی، اور ایک سہانی شام منصور ضرور میرے لئے اور تمہارے لئے حرام کر دے گا" میں نے التجا کی۔

دوسرے دن نوکر کے ہاتھ میں نے منصور کا کوٹ بھیج دیا اور اس کی مزاج پرسی کے لئے بھی خوف کی وجہ سے نہیں گیا مبادا وہ کہیں میرے چہرے سے یہ اندازہ نہ کر لے کہ میں نے اس کی ڈائری پڑھ لی ہے۔ ناصر بھائی البتہ منصور کی مزاج پرسی کے لئے گئے تھے۔

رات کھانے کے بعد ناصر بھائی سے میں نے منصور کا حال پوچھا۔ ناصر بھائی نے بتایا کہ بھئی میں نے باتوں باتوں میں منصور سے شملے کے متعلق پوچھا تھا، کہ بھئی سناؤ کیسا وقت گزرا، کیا کرتے رہے، مگر اس نے ان سوالات کو کوئی خاص اہمیت نہ دی فقط ایک ہلکا سا سانس لے کر اس نے مسکراتے

ہوئے یہ کہا —

دوست! شملے کی کوئی بات نہ پوچھ
بھائی! شملے کی کوئی بات نہ کر
اس جگہ سارے لوگ غمگیں ہیں
ان سے منسوب میری ذات نہ کر

اور پھر منصور چپ ہو گیا اور مجھ سے لاہور کی بابت پوچھتا رہا، اور ہاں اب منصور کچھ بدلا ہوا معلوم ہوتا ہے، اس کی آواز میں سوز ہے — ہو سکتا ہے زکام کی وجہ سے ہو، مگر ویسے بھی اب وہ ذرا الہامی انداز میں کم بات کرتا ہے، اب اس کی بات میں ذہن کم اور دل زیادہ ہوتا ہے۔

"کاش ایسا ہی ہو!" میں نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔

منصور کا مہمان

ناصر بھائی گھر میں مہمانوں کی وجہ سے بہت تنگ آئے ہوئے تھے اور ہماری مہمان خالہ اپنے بیٹے کی تعریفیں کچھ اس انداز سے کرتی تھی کہ ناصر بھائی کا بال نوچ لینے کو جی چاہتا تھا شروع کے دو چار دن تو میں نے ناصر بھائی کے چڑچڑے انداز سے لطف اندوز ہونے میں گزارے مگر جب مجھ پر بھی یہ کیفیت طاری ہونے لگی تو مجھے صحیح معنوں میں اپنے بھائی کی تکلیف دہ حالت کا احساس ہوا۔

ایک شام خالہ حسب دستور شام کی چائے پر مخصوص انداز میں فرما رہی تھی ——

"ارے تم لوگوں کو دیکھ دیکھ کر میں اپنے بیٹے پر رشک کرتی ہوں کہاں تم

دونوں بھائی اور کہاں میرا ننھا جاوید۔۔۔"

اور ناصر بھائی نے چائے کو زہر سمجھ کر پیتے ہوئے برا سا منہ بنایا اور اس ننھے جاوید کی طرف دیکھا جو اچھا خاصا پچیس چھبیس سال کا جوان آدمی تھا اور بڑی شرمیلی اور بیوقوفانہ ہنسی ہنستے ہوئے کمال نزاکت کے ساتھ کیک کا ٹکڑا کھا رہا تھا اور خالہ کہہ رہی تھی۔۔۔

"ہائے تم لوگ خدا معلوم کس ماحول میں رہتے ہو۔۔۔ میرا بیٹا بھی تمہاری طرح شہر کے ماحول میں پلا بڑھا ہے مگر یہ تمہاری طرح فرنگیوں کا لباس نہیں پہنتا اور نہ ہی کبھی بزرگوں کے سامنے ننگے سر آنے کی گستاخی کرتا ہے۔۔۔"

اور ننھے جاوید نے اپنی امی کی بات سن کر جھکا ہوا سر فرمانبرداری سے اور جھکا کر شیروانی سے اپنے ہاتھ پونچھے اور چائے کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ بھرنے لگا۔ ناصر بھائی غصے میں چائے کو پینے کی بجائے چبا رہے تھے۔ اور خالہ بدستور بول رہی تھی۔

"ننھے جاوید کو نہ تو سینما کا شوق ہے اور نہ ہی کسی اور تفریح میں یہ اپنا وقت ضائع کرتا ہے۔۔۔ اس زمانے میں تم جیسے لڑکوں کو دیکھ کر میں جب جاوید پر نظر کرتی ہوں تو خوشی سے پھولی نہیں سماتی اور پھر خالہ کمال فخر سے گردن اکڑا کر آگے

کی طرف دیکھتے ہوئے بولی ——

"ہائے بہن! تم دیکھ رہی ہو ہمیں یہاں آئے آج پانچ روز ہو گئے ہیں تم نے کبھی جاوید کو سیر کے لئے گھر سے باہر جاتے نہیں دیکھا ہو گا —— اللہ رکھے سارا دن میرا بیٹا گھر پر رہتا ہے کم زبان اور شریف بیٹیوں جیسا بیٹا ہے میرا —— کیا مجال جو کبھی پانچ وقت نماز پڑھنا بھول جائے —— یا پھر پل بھر کے لئے مجھ سے اجازت لئے بغیر ادھر ادھر ہو جائے ——" اور خالہ ہماری طرف دیکھ کر بولی ——

"اور یہ لڑکے ہیں بہن —— ہائے شرم آتی ہے انہیں دیکھ کر سارا دن ننگے سر فرنگیوں کا لباس پہنے ادھر ادھر گھومتے پھرتے ہیں —— نہ نماز نہ روزہ نہ بزرگوں کا ادب —— خدا معلوم آج کل کے لڑکوں کو کیا ہو گیا ہے —— ہائے بہن جاوید کو دیکھو اسی کے دم سے پہلے وقتوں کی یاد تازہ ہوتی ہے —— اور یہ بچے ——"

خالہ نے برا سا منہ بنا کر بڑبڑانا شروع کر دیا۔

ناصر بھائی کے لئے خالہ کی گفتگو اب ناقابل برداشت ہو گئی تھی اس لئے وہ بڑی بے نیازی سے میری طرف دیکھ کر بولا ——

"آؤ میاں! اب چلیں" اور میں جھٹ سے چائے کی میز سے اٹھ کر ناصر بھائی کے ساتھ ہو لیا۔

ناصر بھائی اور میں کپڑے پہن کر باہر لان میں کھڑے یہ سوچ رہے تھے کہ آج منصور کو ملا جائے ــــ ہائے ایسے وقتوں میں اپنے بور سے بور دوست بھی کتنے بھلے معلوم ہوتے ہیں میرے ذہن میں فوراً منصور کی تصویر اُبھر آئی ــــ وہی شریر چھوٹی چھوٹی آنکھیں موٹے شیشوں کا چشمہ اور اس کی نہ ختم ہونے والی گفتگو ــــ اور میں نے بھرائی ہوئی آواز میں ناصر بھائی سے کہا۔

"چلئے آج منصور کے ہاں چلتے ہیں۔" ناصر بھائی جو اپنے خالہ زاد بھائی سے تنگ آئے ہوئے تھے اور ذرا دیر پہلے جذباتی ہو کر منصور کو یاد کر رہے تھے میرے اس فقرے پہ کانپ گئے اور ندامت سی محسوس کرتے ہوئے بولے۔

"ارے میاں یہ بات نہیں ــــ ایسا بھی کیا ہے آخر یونہی منصور یاد آ گیا تھا آؤ کہیں اور چلتے ہیں ــــ" اور پھر میری طرف دیکھ کر بولا ــــ "ہیلو لورینگ میں ــــ چائے پئیں گے۔" مگر میں نے صاف انکار کر دیا۔ ناصر بھائی نے ادھر ادھر کی باتیں کر کے میرا موڈ بدلنے کی لاکھ کوشش کی مگر

میں مصر رہا آخر وہ بھی مجبور ہو گئے اور میرے ساتھ منصور کے ہاں چلنے کے لئے تیار ہو گئے ـــ ابھی ہم اپنی کوٹھی کے پھاٹک سے باہر نکلے ہی تھے کہ سامنے سے منصور آتا دکھائی دیا ـــ میں نے بڑھ کر منصور کا استقبال کیا اور ناصر بھائی بھی بڑی گرمجوشی کے ساتھ منصور سے ملے۔ منصور سڑک پر رک گیا اس نے بڑے مشتبہ انداز سے ہم دونوں کو گھورا چشمہ اتار کر اسے صاف کیا اور دوبارہ چشمہ لگا کر اس نے ناصر بھائی کو بالکل قریب سے دیکھتے ہوئے نہایت متانت اور سنجیدگی سے سرگوشی میں کہا۔

"یہ تم نے آج غیر معمولی طور پر گرمجوشی کا اظہار کیوں کیا ہے ـــ جہاں تک میرا خیال ہے تم لوگ میری ضرورت محسوس کر رہے تھے مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ میرا اندازہ غلط ہے کیونکہ یہ میرا اندازہ نہیں اور پھر اگر یہ اندازہ ہے بھی تو غلط نہیں ہے ـــ اور ہاں اب تم یہ بتاؤ کہ بات کیا ہے ؟ اور تم لوگ کس مشکل میں ہو ـــ تاکہ میں تمہارے کام آسکوں یعنی تمہاری مدد کر سکوں۔" اور جواب کا انتظار کئے بغیر منصور ہماری کوٹھی کی طرف چل دیا، ناصر بھائی نے لپک کر اسے روکا اور پھولے سانس کے ساتھ اکھڑی ہوئی آواز میں کہا ـــ

"خدا کے لئے منصور ــــ ہمارے ہاں مت جاؤ ــــ وہاں ایک عجیب و غریب جانور آیا ہوا ہے" اور منصور نے ناصر کا ہاتھ جھٹک کر کہا۔

"ارے یہ تو خوشی کی بات ہے ــــ مجھے جانوروں سے خوف نہیں آتا انسانوں سے ڈر لگتا ہے ــــ اور ہاں دیکھو ــــ جانور کبھی عجیب و غریب نہیں ہوتے، انسان البتہ عجیب و غریب ضرور ہوتے ہیں" منصور پھر کوٹھی کی طرف چل دیا اس دفعہ میں نے بڑھ کر منصور کا راستہ روک لیا اور عجز سے کہا

"منصور! خدا را رک جاؤ ــــ ناصر بھائی نے تمہیں غلط کہا ہے وہ عجیب و غریب جانور نہیں بلکہ عجیب و غریب انسان ہے اور دیکھو وہاں مت جاؤ کیونکہ اگر تم نے اسے دیکھ لیا تو ہم تمہیں منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے۔"

منصور نے میری طرف بڑی سنجیدگی سے دیکھا اور بکمال بے نیازی سے مسکرا کر کہا۔

اچھا جاؤ معاف کیا ــــ مگر میری اس نوازش پر تم لوگوں کو چائے پلانی پڑے گی ــــ آؤ تاکہ ہم جلدی سے اپنی اس نیکی کو چائے میں ڈال دیں ــــ آج ہم نے یہ جانتے ہوئے نیکی کی ہے کہ نیکی نہیں کرنی چاہیئے۔"

ناصر بھائی فوراً چائے پلانے کے لئے تیار ہو گئے اور ہم تینوں خوشی خوشی ڈرائنگ روم کی طرف چل دیئے۔

چائے کا پہلا پیالہ منصور نے خاموشی سے پیا اور دوسرا پیالہ بناتے ہوئے اس نے زمی سے سوال کیا ـــــ

"تو ہاں بھئی اب ذرا وضاحت سے بتاؤ آخر بات کیا ہے؟" منصور کے سوال کرنے کی دیر تھی کہ ناصر بھائی اپنی خالہ کے نیک سیرت ننھے جاوید کی شخصیت کا انکشاف کرنے لگے اس دوران میں منصور دلچسپی سے تمام واقعہ سنتا رہا اور جب ناصر بھائی کے پاس الفاظ ختم ہو گئے اور وہ بڑا سا معصوم چہرہ بنا کر اپنی بے بسی کا اظہار کرنے لگے ـــــ تو منصور نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا اس کا چشمہ سرک کر اس کی ناک کی نوک پر آ کر رک گیا مگر منصور جلد ہی سنبھل گیا اس نے اپنا چشمہ درست کیا اور ناصر بھائی کی طرف معذرت سے دیکھتے ہوئے ہمدردانہ لہجے میں بولا ـــــ

"میرے بھائی ـــــ یہ واقعہ سن کر مجھے جہاں تم سے ہمدردی ہو گئی ہے وہیں مجھے اپنے اوپر بھی ترس آنے لگا ہے ـــــ"

"ارے ــــ وہ کیوں؟" میں نے فوراً تعجب کا اظہار کر دیا۔

"تم اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتے ــــ؟" ناصر بھائی کی آواز میں مایوسی تھی۔

"نہیں نہیں" منصور اطمینان سے بولا "بھئی یہ بات نہیں دراصل مجھے ایک واقعہ یاد آگیا ہے ایک تلخ واقعہ ــــ میری زندگی میں دو چار معصوم سی تلخیاں ہیں جن میں سے ایک تلخی اس واقعے سے وابستہ ہے ــــ میں بھی آج سے دو برس پہلے اس قسم کے مہمان کو اپنے ہاں ٹھہرانے کا شرف حاصل کر چکا ہوں ــــ اور وہ صاحبزادے میرے زبردستی رشتہ دار بنے تھے۔"

منصور رک گیا مسکراہٹ آہستہ آہستہ اس کے چہرے سے مفقود ہو گئی اور ایک بار پھر وہ مکمل طور پر منصور نظر آنے لگا چائے کا دوسرا پیالہ اس نے پھر خاموشی سے پیا اور کسی گہری سوچ میں گم ہو گیا میں اور ناصر بھائی ایک دوسرے کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے کہ منصور کے لب حرکت میں آگئے۔

"آج سے دو برس پہلے جب میں شملے میں تھا تو میرے ہاں ابا جان کے ایک بزرگ دوست تشریف لائے ان دنوں میں کوٹھی میں اکیلا رہتا تھا۔ مجھے فوراً پہلے بھیج دیا گیا تھا تاکہ کوٹھی کو صاف کر دا چھوڑوں ــــ تو صاحب

ایک دن نہایت خوبصورت دوپہر کو جب کہ میں لان میں بیٹھا ہارورڈ ریڈ
کو پڑھ رہا تھا ایک بزرگ دبے پاؤں میرے قریب آکر اچانک نمودار ہوئے
سلام دعا کے بعد انہوں نے کمال بے تکلفی سے بڑھ کر مجھے گلے سے لگالیا
ان کی سخت داڑھی سے جب میری گردن پر خاصی خراشیں آگئیں تو وہ
مجھے چھوڑ کر پرنم آنکھوں اور رندھی ہوئی آواز میں گویا ہوئے ـــــ
"اوہ بیٹا! تم اتنے بڑے ہو گئے ہو ابھی کل کی بات ہے جب تم اتنے
سے تھے" انہوں نے ہاتھوں کے اشارے سے مجھے مختصر کرتے ہوئے کہا "میں
تمہیں گود میں کھلاتا رہا ہوں ـــــ"

"کیا؟" میں نے تعجب سے پوچھا
"کچھ نہیں کوئی کھانے کی چیزیں نہیں یونہی بس کھیل کھلاتا رہا ہوں ـــــ"
وہ چونک کر بولے ـــ
"کس قسم کے کھیل کھلایا کرتے تھے آپ؟" ـــ اور جواب میں وہ فقط مسکراتے
ہوئے بولے ـــ

"بڑے شریر بچے ہو ـــ اوہو ـــ او ـــ اوہ! تم کتنے بڑے ہو گئے
ہو وقت کتنی تیزی سے گذر جاتا ہے" یہ کہہ کر وہ ایک گہرا سانس لے کر کرسی،

پر بیٹھ گئے وہ جب کرسی پر بیٹھے تو ان کے پیچھے سے ایک صاحبزادے نمودار ہوئے جو شاید ان کے پیچھے بڑی صفائی سے چھپے کھڑے تھے —— بزرگ مسکرا کر بولے ——

"بیٹا نعیم —— یہ تمہارے بھائی ہیں —— آں کیا نام ہے تمہارا بیٹا؟"
وہ فضا میں ہاتھ گھما کر چٹکی بجانے لگے جیسے میرا نام اڑ رہا ہے اور اسے پکڑنے کی فکر میں ہیں میں نے پرسمیٹ کر کہا ——

"منصور!" "اوہاں" بزرگ قہقہہ لگا کر بولے —— "منصور! میں تو بیٹے کا نام ہی بھول گیا تھا" بزرگ رک گئے اور ان کے صاحبزادے نعیم سر جھکائے اپنی شیروانی کا بٹن مروڑتے رہے —— اور پھر بزرگ نے نہایت بزرگانہ انداز میں کہا ——

"بیٹا منصور! میں تمہارا چچا ہوں —— اور تم تو اب مجھے کیا پہچانو گے —— کتنی پرانی بات ہے میں اور تمہارا والد بچپن کے ساتھی ہیں ہم لوگ —— بیٹا! وہ ابھی تک کیوں نہیں آئے؟ —— وہ کب آرہے ہیں؟ اوہ! ان سے ملنے کو کتنا جی چاہ رہا ہے —— تم بیٹھ جاؤ بیٹا منصور —— اور تم بھی بیٹھ جاؤ نعیم بیٹا —— دیکھو منصور میاں! یہ میرا بیٹا ہے بڑا شریف اور فرمانبردار بچہ ہے۔"

میں کچھ دنوں کے لئے دہلی جارہا ہوں۔ پولیس کی نوکری میں نے آج سے چار سال پہلے چھوڑ دی تھی تمہارے ابا جان جانتے ہیں اور آجکل میں جیلوں کا معائنہ کر رہا ہوں ہمارے ملک میں جیلوں کی حالت بہت بدتر ہے میں نے اپنی ملازمت کے سلسلے میں چونکہ یہ دنیا اچھی طرح دیکھی ہے اس لئے مجھے اس کا بخوبی احساس ہے مجھے تعجب ہے لوگ جرم کس بوتے پر کرتے ہیں اور خاص طور پر وہ مجرم جو ایک بار جیل دیکھ جاتے ہیں انہیں دوبارہ جیل میں آنے کی ہمت کیسے ہوتی ہے ۔۔۔ اوہ! تمہیں کیا بتاؤں میاں! تمہیں تو شاید کبھی جیل میں جانے کا اتفاق نہیں ہوا ہوگا ۔۔۔ ہا ہا ہا! میں بھی کتنا پاگل ہوں اپنے بھتیجے سے کس طرح کی باتیں کر رہا ہوں ۔۔۔ تو ہاں دراصل بات یہ ہے منصور میاں ۔۔۔ کہ میں جیل کی اس ذلیل حالت کو محسوس کرتے ہوئے ایک کتاب لکھ رہا ہوں پولیس کی ملازمت نے جہاں مجھ سے بہت کچھ چھین لیا ہے وہیں انہوں نے مجھے بہت کچھ دے بھی دیا ہے ۔۔۔ مجھے مجرموں سے ہمدردی ہو گئی ہے۔ بھلا سوچو تو میاں منصور! ایک شخص جو جرم کرتا ہے اور اپنی زندگی کا ایک طویل عرصہ ان بند کمروں میں گزارتا ہے اس کے لئے یہ جگہ اتنی گھناؤنی نہیں ہونی چاہیئے ۔۔۔ میں نے میاں دنیا کی تمام جیلوں پر لکھی ہوئی کتابیں دیکھی ہیں ۔۔۔ دنیا کے کسی ملک میں جیل

کی حالت اتنی بری نہیں ہوتی جتنی ہمارے ملک میں ہے ـــ بہر حال میرا انداز ہے کہ میں بات کو کچھ طویل کر گیا ہوں۔ مگر خیر تمہاری سیکھنے کی عمر ہے میرا خیال ہے میں نے تمہارے لئے نئی معلومات مہیا کی ہیں تو ہاں! بیٹا میں دہلی جا رہا ہوں ـــ دو ہفتے تک لوٹ آؤں گا تمہارے ابا کب آ رہے ہیں؟ میرا خیال ہے وہ اس دوران میں میرا مطلب ہے میری واپسی تک آ چکے ہوں گے ـــ خیر ان سے واپسی پر ملاقات ہو گی تو ہاں میں چاہتا ہوں میرا بیٹا نعیم اس دوران میں تمہارے پاس رہے ـــ میں جلد آ جاؤں گا تم اس عرصے میں اسے اپنے پاس رکھنا ـــ یہ بڑا شریف بہت ہی سعادت مند بیٹا ہے اسے سیر و تفریح فلم وغیرہ کا کوئی بیہودہ شوق نہیں بڑا ہی گھریلو قسم کا آدمی ہے ـــ ماشاء اللہ! تم دیکھ رہے ہو اب نوجوان نظر آنے لگا ہے ـــ مگر عادات اب بھی بچوں کی سی ہیں کیا مجال اجازت لئے بغیر گھر سے کہیں چلا جائے۔ اوّل تو یہ اکیلا گھر سے نکلتا ہی نہیں بہت سمجھاتا ہوں کہ بیٹا اب تم نظر بد دور جوان ہو گئے ہو ذرا اکیلے ہی گھوم پھر آیا کرو ـــ مگر صاحب کیا مجال جو یہ گھر سے قدم بھی باہر نکال لے ـــ بہر حال منصور میاں یہ بڑا ہی شریف بچہ ہے ـــ یہ تمہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں دے گا۔ بچہ ہے مگر اس کے باوجود اسے ضد کی بالکل عادت نہیں

ہے نہایت سادہ زندگی گذارنے کا عادی ہے اور ہاں اسے صرف نماز پڑھنے کا شوق ہے ——— رات کو دیر تک وظیفہ کرتا ہے تو ہاں میں کہہ رہا تھا کہ میں شام کی گاڑی سے دہلی جارہا ہوں یہ تمہارے ہی پاس رہے گا اسے رات کو سوتے وقت دودھ پینے کی عادت ہے باقی کھانے میں کسی قسم کے تکلف کی ضرورت نہیں، اسے جو مل جائے کھالیتا ہے ——— فقط صبح کے ناشتے پر دو انڈے ضرور دے دیا کرنا اسے کیونکہ یہ اس کی پرانی عادت ہے باقی اور کسی تکلف کی ضرورت نہیں ——— ٹوسٹ کو مکھن لگے یا نہ لگے ہاں البتہ مربہ کھانے کا اسے بڑا شوق ہے بچہ جو ٹھہرا اسے میں نے لاکھ سمجھایا ہے بیٹا میٹھا زیادہ نہیں کھاتے دانت خراب ہوجاتے ہیں مگر مسکرا کر ٹال دیتا ہے سوچتا ہوں کہ چلو بچہ ہی تو ہے بڑا ہوگا تو خود برا بھلا جان جائے گا۔"

میرے دو تین گہرے سانس لینے پر وہ حضرت رک گئے کرسی سے اٹھ کر انہوں نے بڑی بے نیازی سے چھڑی گھمائی مسکرا کر پہلے میری طرف اور پھر اپنے ننھے بیٹے نعیم کی طرف دیکھا ذرا دیر بعد اشارے سے بلا کر وہ اسے دور لے گئے اور کافی دیر تک پیپل کے درخت تلے سر جوڑے

باپ بیٹا کچھ اس طرح سرگوشیاں کرتے رہے جیسے کہیں درخت اِن کی باتیں سن رہا ہو۔ تھوڑی دیر بعد بزرگ مسکراتے ہوئے میرے پاس آئے اور مجھ سے ہاتھ ملانے کے بہانے بغل گیر ہو گئے۔ اور جب رحیم میرے بوڑھے نوکر نے آکر نعیم صاحب کا سامان اندر کوٹھی میں پہنچایا تو وہ بزرگ خدا حافظ کہہ کر چلتے بنے ——

شام کے گہرے سائے دھوپ کی سنہری چادر سمیٹ چکے تھے اور ایک ناواقف بوڑھا بزرگ ایک وکٹوریہ کے زمانے کا مجسمہ میرے سامنے نصب کر کے چلتے بنے تھے جو دبکا ہوا کرسی میں دھنسا بیٹھا تھا میں نے خاموشی کو توڑنے کی غرض سے کئی بے معنی قسم کے سوالات کئے مگر کوئی جواب نہ ملا میں نے جھک کر اس کی طرف دیکھا تو وہ منہ میں کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ مجھے اچانک اس بزرگ کے الفاظ یاد آ گئے اور میں یہ سوچ کر ندامت محسوس کرنے لگا کہ ایک شریف آدمی وظیفہ کر رہا ہے اور میں ہوں کہ اس سے لگاتار بیہودہ سوالات کر رہا ہوں۔ میں کچھ دیر وظیفہ ختم ہونے کا منتظر رہا شام کی ٹھنڈی ہوا تو خیر بڑی حسین تھی مگر یخ بستہ خاموشی سے اکتا کر میں اٹھا اور اپنے کمرے میں آ گیا چائے کی میز پر بیٹھ کر میں نے رحیم سے کہا کہ جا کر اس مجسمے

کو اٹھا لائے اور رحیم منہ لٹکائے ہوئے واپس آ گیا اور آہستہ سے بولا۔

"صاحب! نعیم بابو کہتے ہیں کہ وہ چائے نہیں پئیں گے — میں انہیں ان کے کمرے میں چھوڑ آیا ہوں —" میں نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"ہوں!! ارے رحیم کیا وہ خود بولے تھے؟ کیا وہ خود چل کر اپنے کمرے میں گئے تھے؟" رحیم مجھے یقین دلا رہا تھا اور میں کسی صورت بھی یہ بات ماننے کے لئے تیار نہ تھا۔

صبح جب میں سیر کے بعد ناشتے کی میز پر پہنچا تو رحیم نے بتایا کہ نعیم بابو ناشتہ کر گئے ہیں مربے کی خالی بوتل نے مسکرا کر اس بات کی تائید کی اور میں یہ حسرت دل میں لئے کہ کاش کبھی میں اپنی آنکھوں سے اس صاحبزادے کو کھاتے پیتے چلتے پھرتے اور بات کرتے دیکھوں ناشتہ کرتا رہا — دوپہر کو میں ایک کام سے چھوٹے شملے چلا گیا شام کو جب واپس آیا تو پتہ چلا کہ ننھے نعیم چائے پی کر ذرا ٹہلنے کے لئے باہر گئے ہیں میں نے نوکر سے پوچھا کہ وہ بتا کر گئے ہیں تو اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"جی نہیں سرکار! وہ چائے پی کر اپنے کمرے میں گئے تھوڑی دیر بعد فس کلاس سوٹ پہن کر وہ باہر نکلے اور چھڑی گھماتے اور سیٹی بجاتے چل دیئے میرا خیال ہے ذرا گھومنے گئے ہوں گے۔" میرا لو کو میرے لئے چائے بنا رہا تھا اور میں محسوس کر رہا تھا جیسے وہ چائے نہیں بنا رہا بلکہ مجھے بیوقوف بنا رہا ہے میں نے اسے شانوں سے جھنجھوڑ کر کہا۔۔۔

"رحیم بابا میں نعیم کے متعلق پوچھ رہا ہوں؟" اور رحیم بابا نے برا مانتے ہوئے ذرا بلند آواز میں جواب دیا۔۔۔

"بابو بیٹا! میں بھی اسی کے متعلق بتا رہا ہوں۔۔۔ آخر آپ اس بات پر حیران کیوں ہو رہے ہیں۔ اس میں بھلا ایسی انوکھی بات کیا ہے؟" اور میں رحیم کی اس سادگی پر مسکرانے کی بجائے اپنی بیوقوفی پر ہنسنے لگا۔۔۔ چائے پی کر میں دیر تک کتابیں دیکھتا رہا۔۔۔ رات کے نو بج گئے مگر میرا معزز مہمان نہ آیا جوں جوں وقت گزر رہا تھا میری وحشت بڑھ رہی تھی دل میں طرح طرح کے بُرے خیالات آ رہے تھے۔۔۔ خدا معلوم وہ بچہ کہاں کھو گیا ہے۔۔۔ پہاڑی راستے بھی تو ناہموار ہیں کہیں گر نہ گیا ہو۔۔۔ آخر کیا کیا جائے؟ اسے کس جگہ جا کر تلاش کیا جائے۔۔۔ رحیم اور میں دیر تک

ان سوالات پر غور کرتے رہے کافی رات گئے میں نے بمشکل تمام کھانا زہر مار کیا۔ اور آدھی رات تک اس کا انتظار کرتے کرتے مجھے صوفے پر نیند آگئی۔

صبح سویرے کوئی سات بجے جب میری آنکھ کھلی تو رحیم نے بتایا کہ نعیم صاحب پانچ بجے تشریف لائے تھے ـــــ میں نے تعجب سے پوچھا کہ رحیم بابا تم کیا رات بھر جاگتے رہے ہو تو اس نے بڑے سرسری انداز میں کہا کہ وہ سو رہا تھا کہ اچانک اسے زور زور سے چیخنے چلانے اور رگانے کی آواز کے ساتھ بڑے ڈیسیوں کے کتے کے بھونکنے کی آواز آئی اور جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ نعیم صاحب اپنے کمرے میں بتی جلائے کپڑے تبدیل کر رہے تھے۔

منصور رک گیا اس نے چائے کا نیا کپ بنایا اور دو تین گھونٹ پی کر بولا۔

"اب یہ سب کچھ میری برداشت سے باہر تھا ـــــ میں نعیم سے بات کرنا چاہتا تھا اتنا کچھ ہو جانے پر بھی مجھے سیدھے سادھے سنجیدہ قسم کے بزرگ نوکر کی باتیں مذاق معلوم ہو رہی تھیں میں سیر کے لئے چل دیا واپس آکر میں نے غسل کیا اور کوئی نو بجے نعیم کے کمرے میں پہنچا وہ گہری خراٹوں میں الٹا لیٹا چین کی بنسری بلکہ بینڈ بجا رہا تھا ـــ میں نے بڑی احتیاط سے اسے آواز دی ـــ مگر ادھر سے کوئی جواب نہ آیا ـــ میں نے پھر پیار سے پکارا مگر خراٹوں کا تسلسل

قائم ہا ہنگ آگئی میں نے زور سے آواز دی ۔۔ خراٹوں کی آواز ایک دم رک گئی ۔ نعیم صاحب سیدھے ہو کر لیٹ گئے ذراسی آنکھیں کھول کر انہوں نے بڑی بیزاری سے میری طرف دیکھا اور پھر آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگے ۔۔ میں نے نرمی سے کہا۔

"نعیم میاں ۔۔ اٹھیے ناشتہ کر لیجیے" ادھر سے کوئی جواب نہ آیا میں نے پھر کہا ۔۔

"نعیم صاحب! دن چڑھ گیا ہے اب اٹھئے ۔۔" اس نے آنکھیں بند کیے ہوئے بیزاری سے جواب دیا۔

"میں دیر سے ناشتہ کروں گا" مجھے کچھ کچھ غصہ آنے لگا میں نے ذرا سختی سے کہا ۔۔

"نگر میاں! نوکر نے ناشتہ تیار کر کے میز پر لگا دیا ہے" میرے منہ سے ابھی یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ زور سے ایک تکیہ نعیم نے میرے منہ پر مار کر کہا۔

"کیا ٹیں ٹیں لگا رکھی ہے ۔۔ جاؤ سونے دو"

اس کی اس حرکت پر جہاں مجھے حیرت ہوئی اور غصہ آیا وہیں مجھے خوشی بھی ہوئی رحیم کی تمام باتوں کی تصدیق ہو چکی تھی میں حیرت اور پشیمانی کو مسکراہٹ

میں بدل کر ناشتے کی میز پر جا بیٹھا۔

میں لان میں بیٹھا ان تمام تر الجھنوں کو مطالعے میں کھو کر بھولنا چاہتا تھا اور میرا نوکر رحیم کوئی بارہ بجے سے نعیم صاحب کے کاموں میں لگا ہوا تھا ہر پانچ یا دس منٹ کے بعد نعیم کے کمرے سے بلند آواز میں بڑبڑانے کی آوازیں مجھے برابر آ رہی تھیں ان حالات میں تم لوگ اندازہ کر سکتے ہو مطالعہ کیسے ہو سکتا ہے میں نے کتاب بند کر دی اور کرسی کی پشت پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر کے اس نامعقول بزرگ کے متعلق سوچنے لگا جو میرا چچا بن کر اس صاحبزادے کو میرے ہاں مہمان رکھ گیا تھا میں انہیں خیالوں میں گم تھا کہ کسی برتن کے ٹوٹنے کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔۔۔ میں غصے سے مٹھیاں بھینچ کر اٹھا مگر پھر مٹھیاں کھول کر بیٹھ گیا

کوئی تین بجے کے قریب جب نعیم صاحب اپنے کمرے سے نکل کر سیٹی بجاتے ہوئے لان میں پہنچے تو واقعی میں انہیں نہ پہچان سکا، کوڈرلائے کی پینٹ سرخ چیک قمیض ہونٹوں میں سگریٹ اور چہرے پر ایک طنزیہ مسکراہٹ لئے ہوئے میرے قریب آ کر اس نے نہایت بے نیازی اور لاپروائی سے ہاتھ ملا کر ہیلو کہا اور پھر جھومتے ہوئے وہ کوٹھی کی حدود سے

باہر نکل گیا۔

اس صاحبزادے کے متعلق میں نے زیادہ سوچنا مناسب نہ سمجھا میں اٹھ کر اپنے کمرے میں پہنچا دو تین خط لکھے اور سیر کی غرض سے مال روڈ پر چل دیا۔ جی۔پی۔او میں خط ڈال کر میں مال روڈ کے پررونق ماحول میں چہل قدمی کرنے لگا شام بڑی حسین تھی اور مال روڈ پر سکینڈل پوائنٹ کے قریب خوبصورت چہرے رنگین لباس اور چمکتے ہوئے کتوں کا ہجوم تھا اور میں ان تمام چیزوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ اچانک اس ہجوم میں نعیم صاحب نمودار ہو گئے ــــ اس نے بغل میں ایک خوبصورت سی پیاری سی لڑکی دبا رکھی تھی اور بلند آواز میں قہقہے لگاتا ہوا وہ بالکل میرے قریب سے مجھے نظر انداز کر کے گذر گیا میں نے پھر ایک بار اس بات پر سوچنا مناسب نہ سمجھا مگر اس کے باوجود میرا موڈ خراب ہو گیا اور میری آنکھوں کے سامنے وہ دن آ گیا جب یہ شخص اپنے والد کے ساتھ کھڑا بغلیں جھانک رہا تھا اور آج بغل میں لڑکی دبائے وہ کس شان سے میرے قریب سے گذر گیا تھا۔ یہ سیدھا سادھا اور شریف بچہ ــــ جو بڑا گھریلو قسم کا لڑکا تھا اور کبھی گھر سے اجازت لئے بغیر ادھر ادھر نہیں ہوتا تھا اور اکیلا کبھی سیر کے لئے

جاتا ہی نہیں تھا ۔۔۔ مجھے اس بچے سے کوئی شکایت نہ تھی میں تو صرف اس بزرگ کے متعلق سوچ رہا تھا جو چار سال سے پولیس کی نوکری چھوڑ کر جیلوں کا معائنہ کر رہا تھا جو میرے والد کا بہت ہی پرانا دوست تھا۔ جو میرا چچا تھا۔ جو دہلی گیا ہوا تھا اور ہفتے کے اندر اندر واپس آنے والا تھا۔ خدا معلوم یہ ہفتہ کب ختم ہوگا وہ کب واپس آئے گا اور جب میں اپنی کوٹھی میں داخل ہوا تو رحیم نے تعجب سے کہا۔

"اتنی جلدی واپس آ گئے سرکار؟"

اور میں جواب دیئے بغیر اپنے کمرے میں چلا گیا۔۔۔

منصور رک گیا مجھے اور ناصر بھائی کو اس بات میں دلچسپی لیتا دیکھ کر وہ ضرورت سے زیادہ دیر تک خاموش رہا اور جب ہم نے وضاحت سے بیزاری کا اظہار کیا تو منصور نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو ہاں بھئی ۔۔۔ وہ شخص اس رات بھی گھر سے غائب رہا اور صبح جب نوکر نے کل جیسی عجیب و غریب باتیں دوبارہ دہرائیں تو میں خاموشی سے سب کچھ سنتا اور برداشت کرتا رہا۔ دوپہر کو کھانے پر اس نے میرا ساتھ

دیا وہ بہت خوش تھا اس کی آنکھوں میں رات کی نیند کا خمار ابھی تک گلابی ڈوروں کی صورت میں جھانک رہا تھا اور وہ اپنی سرخ جرسی اور سفید سکارف میں بڑا اسمارٹ معلوم ہو رہا تھا اس نے کھانا کھاتے ہوئے دو تین بار بے تکلفی کا اظہار کرنا چاہا مگر میں نے خاموشی کی دیوار اس راستے میں حائل رکھی تجھ دیر وہ خاموش رہا اور جب میں یہ محسوس کرنے لگا کہ اس نے میرا اشارہ سمجھ لیا ہے وہ زور زور سے ایک امریکن کو بولائے فلم کا گانا گانے لگا کھانے کے ساتھ ساتھ گانے اور زمین پہ پاؤں مارنے کی آواز سے میں وحشت محسوس کرتے ہوئے اٹھنے لگا اس نے بڑھ کر میرا بازو تھام لیا اور سرگوشی کے انداز میں بولا ——

"میں نے کہا جناب والا یہ آپ ہر وقت اپنے چہرے پر اپنے ابّا جان کی سنجیدگی کیوں چڑھائے رہتے ہیں خدارا کبھی تو ہمیں بھی یہ احساس دلا دو کہ تم مسکرا بھی سکتے ہو" وہ قہقہے لگانے لگا اور پھر میری پشت پر پورے زور سے ہاتھ مار کر بولا ——

"اماں یار! تم بھی سنک ہو۔ آہ! کاش یہ تمہاری خوبصورت کوٹھی میری ہوتی اور میرے والدین اسی طرح دور کہیں ادھر ہوتے تو پھر میں اپنے اُدھ

والدین کے درمیان اس حسین فاصلے سے تمہیں پورا پورا فائدہ اٹھا کر دکھاتا ـــــ اور ادھر آپ ہیں کہ پورا پورا نقصان اٹھا رہے ہیں ـــــ " وہ خاموش ہو گیا اور میں نے اس کی خاموشی سے فائدہ اٹھا کر اپنی سنجیدگی کو اور زیادہ گہرا کرتے ہوئے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا ـــــ کمبخت آدمی سمجھدار تھا فوراً سمجھ گیا اور نرمی سے بولا ـــــ

"میں سمجھ رہا ہوں کہ تم کیا نہیں سمجھ رہے۔ دراصل میرے یار تم حیران ہو رہے ہو گے کہ میں اتنی جلدی کیسے بدل گیا ہوں اس دن اپنے والد کے ساتھ میں تمہیں بہت شریف اور معصوم نظر آیا ہوں گا یعنی دوسرے معنوں میں تم نے مجھے بیوقوف سمجھا ہو گا ـــــ اور اب مجھے بیوقوف نہ پا کر تم اپنی بیوقوفی پر نادم ہو رہے ہو گے ـــــ مگر بھیا! بات یہ ہے کہ جیسا دیس ویسا بھیس والا معاملہ ہے جب مجھے یہ معلوم ہوا تھا کہ بچپن میں ہمیں والدین بیوقوف بنایا کرتے ہیں اسی دن میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ وقت آنے پر ہم اپنے عزیز والدین سے ضرور اس کا بدلہ لیں گے اور خدا کا شکر ہے کہ اب ہم اپنے اس اہم فرض سے رفتہ رفتہ سبکدوش ہو رہے ہیں ـــــ " وہ رکا، کر مسکراتے ہوئے بولا ـــــ

"کیوں کیا خیال ہے آپ کا؟"

"تم ٹھیک کہتے ہو!" میں نے غصہ اور نفرت سے آہستہ آہستہ کہا

"تو بس اگر میں ٹھیک کہتا ہوں تو تم کیوں اس طرح کی بے رنگ زندگی گذارنے

پر مجبور رہو ــــ آؤ آج شام میرے ساتھ گذارو۔ آہ! یہاں ملی ہے سمیں

ہے جولیا! وہ لڑکیاں ہی لڑکیاں ہیں خوبصورت بدصورت لمبی پتلی گوری

کالی لڑکیاں ــــ اوہاں! تمہیں کس قسم کی لڑکی پسند ہے؟" وہ رک گیا اور

جھک کر میرے جواب کا انتظار کرنے لگا ــــ

"مجھے ایسی لڑکیاں پسند ہیں جو اس ملک میں پیدا نہیں ہوتیں" میرا

جواب سنکر وہ بغیر سوچے سمجھے بولا:

"تو پھر تم اس ملک سے چلے کیوں نہیں جاتے کسی ایسے ملک میں

جہاں ویسی لڑکیاں پیدا ہوتی ہوں جیسی تم چاہتے ہو ــــ اور تم جیسے آدمی

کو ایسے کاموں میں ایسی سستی نہیں دکھانی چاہیئے جیسی کہ تم دکھا رہے ہو

ــــ مگر میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ ایسے بھی ہو سکتا ہے کہ تم جیسی لڑکی چاہتے

ہو اگر تمہیں نہیں ملتی تو تم کسی ایسی ویسی لڑکی کو پکڑ و اور ویسی بنا لو ــــ جیسی

کہ تم چاہتے ہو کیا ایسے نہیں ہو سکتا جیسا کہ میں نے سمجھانے کی کوشش

کی ہے —"

میں ویسے تو نہیں سمجھا جیسے تم نے سمجھانے کی کوشش کی ہے ویسے میں سمجھ گیا ہوں اور یہ کہہ دینا کافی سمجھتا ہوں کہ میں ایسا آدمی نہیں ہوں جیسا تم سمجھے ہو کہ ایسی ویسی لڑکیوں کی طرف توجہ دے سکوں" میں بڑبڑانے لگا اور وہ میری طرف بڑی ہمدردانہ نگاہوں سے دیکھتا رہا مجھے اس کی یہ نگاہیں بہت بری معلوم ہوئیں اور میں اپنے کمرے کی طرف چل دیا کچھ دیر بعد مجھے قہقہے لگانے اور گانے کی آواز آئی اور پھر آہستہ آہستہ یہ آواز دور چلی گئی۔

پہلے جو وقت دنوں میں گذرا کرتا تھا اب ہفتوں میں گذرنے لگا مگر اس فرشتہ صفت برخوردار کے والد محترم کو آنا تو تھا مگر نہ آئے اور ادھر ان کے صاحبزادے دن بدن اپنے والدین کی دوری سے پورا پورا فائدہ اٹھا رہے تھے میں جب بھی شام کو کبھی سیر کے لئے نکلتا وہ صاحب ہر شام کسی نئی لڑکی کو لئے پرانی حرکات کرتے دکھائی دیتے — اور میں صبر کے گھونٹ پینے کی بجائے جبر کے تیز تیز قدم اٹھاتا کوٹھی واپس چلا آتا —
ایک دن وہ صاحبزادے گھر سے باہر نہ گئے میں نے تعجب سے اس پر ہنر

کی وجہ پوچھی کیونکہ اس کے اس غیر معمولی رویے سے مجھے یہ شبہ لاحق ہوگیا کہ شاید اس کے والد محترم تشریف لائے ہیں مگر اس نامعقول نے اپنے جیسی بات بنا کر مجھ سے وہ چند لمحوں کی خوشی بھی چھین لی جس کا میں تصور کئے ہوئے تھا اس نے برا سا منہ بنا کر نہایت یتیمانہ انداز میں روتے ہوئے کہا ـــــ " بھیّا! وہ تمام پیسے جو والد صاحب امانت کے طور پر میرے پاس رکھ گئے تھے خرچ ہو چکے ہیں اور وہ تمام تعلقات بھی جو میں نے اتنے دنوں میں یہاں پیدا کئے تھے خرچ کر چکا ہوں اب تو کوئی ادھار بھی نہیں دے گا تو پھر تم ہی بتاؤ اب میرا گھر سے باہر نکلنا کہاں تک مناسب ہے!"

میں اس کی اس صاف گوئی پر دکھاوے کے طور پر مسکرایا اور دل ہی دل میں گالیاں دیتے ہوئے اپنی بدقسمتی پر آنسو بہانے لگا ـــــ

دوپہر کو میں کھانا کھانے کے بعد باہر لان میں بیٹھ کر کتاب پڑھنے کی کوشش کرنے لگا تھوڑی دیر بعد میرا معزز مہمان نہایت بیزاری کی حالت میں جھومتا ہوا باہر آیا میرے قریب پڑی ہوئی کرسیوں میں سے ایک کرسی کو گھسیٹتے ہوئے وہ درخت کے نیچے دو لے گیا اور اس پر نیم دراز ہوتے ہوئے وہ عجیب عجیب آوازیں نکالنے لگا ـــــ

میں کتاب کی طرف بالکل متوجہ نہ ہو سکا کیونکہ اس کی بیزار کن آوازیں مجھے پریشان کر رہی تھیں میں نے تنگ آ کر دو تین بار اس کی طرف دیکھا اور اس نے مسکرا کر اپنے بھونڈے کام کو پھر خوش اسلوبی سے ادا کرنا شروع کر دیا اسی اثنا میں رحیم ایک اینگلو انڈین سانولی سی لڑکی کو اپنے ساتھ لان میں آیا اور درخت کی طرف اشارہ کر کے چلا گیا میں نے جلدی سے آنکھیں جھکا کر کتاب پڑھنا شروع کر دی اور وہ چند اس لڑکی کو دیکھ کر چھلانگیں لگاتا ہوا اس کی طرف بڑھا اور تھوڑی دیر کھسر پھسر کے بعد یہ دونوں میری طرف آئے لڑکی نے بڑی کاروباری ملائمت سے مسکرا کر مجھے ہیلو کہا اور میرے قریب ہی کرسی پر بیٹھ گئی اور میرا مہمان بڑی بے تکلفی سے کرسی پر بیٹھ کر ٹانگیں زمین پر پھیلاتے ہوئے بولا ——

"للی! یہ ہمارے دوست ہیں —— یہ وہی خوش نصیب انسان ہیں جن کے ہم آجکل مہمان ہیں آدمی بڑے عالیشان ہیں ہم پر بڑے مہربان ہیں کیونکہ صحیح قدر دان ہیں ——" اور میری طرف دیکھ کر وہ نامعقول آہستہ سے بولا ——

"اور للی ان کا نام منصور ہے اور انہیں ہر شے پر عبور ہے مگر دماغ

ہیں کچھ فتور ہے کیونکہ کبھی کبھی ان تمام ترخوبیوں کے باوجود بہک جاتے
ہیں اور جب ہوش میں آتے ہیں تو سر کو کھجاتے اور شرماتے ہیں اور اپنے کئے
پر پچھتاتے ہیں —"

للی مسکرا رہی تھی میری حالت کا تم دونوں اندازہ کر سکتے ہو مگر وہ میری
قہر آلود نگاہوں کو نظر انداز کرتے ہوئے کہنے لگا —

"اور منصور صاحب یہ للی ہے بڑی شیطان بلّی ہے مکان تو اس کا دلی
ہے اور یہاں گرمیاں گزارنے آئی ہے طبیعت میں رکھائی ہے ہم سے آشنائی
ہے مگر چیز یہ پرائی ہے جانے ہمیں کیسے بھائی ہے دیکھنے میں خطائی ہے مگر منصو
صاحب — دہائی ہے —"

میں للی کی طرف دیکھ رہا تھا اور وہ مسکرا رہی تھی میں نے اپنا سانس
درست کرتے ہوئے کہا —

"آپ چائے پیئیں گی ؟" اور وہ نامعقول تھیٹریکل موڈ سے نکلتے ہوئے
بولا —

"اجی صاحب یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے چائے کا وقت تو ہے ہی
— للی ڈارلنگ کافی سمجھدار ہے عین وقت پہ پہنچتی ہے — کیوں للی ڈارلنگ!

نقش

چائے پیو گی یا کافی؟ ہیں ۔۔۔" میرا مہمان کمال وضعداری سے میزبان کے فرائض انجام دے رہا تھا ۔۔۔ للی ڈارلنگ نے اپنے تمام چمکدار دانت دکھاتے ہوئے بڑے معشوقانہ انداز میں کہا ۔۔۔

"ہم تو کافی پیئے گا" اور میرے مہمان میزبان نے تمام تر عاشقانہ انداز نظر انداز کرتے ہوئے کہا ۔۔۔

"بڑی بور ہوٹل میں تو یونہی تکلف کر رہا تھا یہاں کافی وغیرہ نہیں مل سکتی صرف چائے حاضر ہے ۔۔۔ اگر پینا ہو تو پیو ۔۔۔ ورنہ بھی پیو۔"

اور وہ بیوقوفوں کی طرح قہقہے لگانے لگا للی مسکرا کر اس کا ساتھ دے رہی تھی اور میرا غصّہ للی کے بار بار مسکرانے سے کم ہو رہا تھا ۔۔۔ وہ نامعقول جب خاموش ہوا تو للی نے اپنی زبان میں بڑے نرم انداز میں کہا ۔۔۔

"منصور ڈارلنگ! آپ کا کوٹھی بڑا سویٹ ہے ۔۔۔ ہم کو پسند آیا اور تم لکی فیلو ہے یہ نعیم بڑا انٹرسٹنگ فیلو ہے ۔۔۔ یہ ہم کو بہت ہنساتا ہے" اور للی نے مسکرانا شروع کر دیا ۔۔۔"

"سو ناصر میاں!" منصور رک گیا" اس قسم کی بور باتیں مجھے کوئی دو گھنٹے سننی پڑیں پھر للی اور وہ لعین دونوں مل کر غائب ہو گئے اور شام کے

گہرے سایوں میں گھر کر میں دیر تک اس بزرگ کے متعلق سوچتا رہا جو جیل خانوں کا معائنہ کر رہا تھا ــــ"

دوسرے دن صبح بھی میرا بور مہمان غائب رہا ـــ اور میں اس تمام عرصے میں اپنے ضروری کاموں سے نپٹنے کے لئے شہر چلا گیا نوکر کو ہدایات کر دیں کہ اگر نعیم اس لڑکی کے ساتھ کوٹھی میں آئے تو اسے روک دینا اور کہہ دینا کہ منصور صاحب کا حکم ہے اور میں اطمینان سے شام تک شملے میں گھومتا رہا ـــ رات کو کھانے کی میز پہ بھی وہ چند نہیں تھا کھانے سے فارغ ہو کر میں اپنے کمرے میں پہنچا ہی تھا ـــ

کہ بوڑھے نوکر رحیم نے آکر اطلاع دی کہ باہر ایک سپاہی بلا رہا ہے۔ ـــ یہ خبر سن کر خود میرے کان بیٹھ گئے اور میں سوچتے ہوئے کوٹھی کے پھاٹک پر پہنچا ـــ ایک حوالدار نے مجھے بتایا کہ نعیم نام کا ایک لڑکا کل رات سے حوالات میں بند ہے وہ سڑک پہ بیہودگی کرتے اور شور مچاتے ہوئے پکڑا گیا ہے وہ آپ سے ملنے کی درخواست کرتا تھا جب ہم نے انکار کیا تو اس نے یہ رقعہ دے کر درخواست کی ہے کہ اسے ہم آپ تک پہنچا دیں۔

رقعہ دے کر حوالدار سپاہی کے ہمراہ رات کی تاریکی میں غائب ہو گیا اور میں جلدی جلدی اپنے کمرے میں پہنچا اس کا رقعہ مجھے اب بھی یاد ہے ــــ" منصور رک گیا اور میں نے اشتیاق سے پوچھا۔

"کیا لکھا تھا اس رقعے میں ؟" منصور نے مسکراتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

منصور میاں!

ہیلو!

تم بالکل پریشان مت ہونا ــــ میں یہاں مزے میں ہوں کم از کم تمہاری کوٹھی سے یہ جگہ لاکھ درجے اچھی ہے ــــ یہاں کچھ دلچسپ آدمی مل گئے ہیں جو باتیں بھی کرتے ہیں اور قہقہے بھی لگاتے ہیں ــــ بہر حال میں یہاں خوش ہوں۔ اگر اباجان آجائیں ــــ تو انہیں صرف اتنا کہہ دینا کہ ان کا فرمانبردار بیٹا حوالات میں ہے اور وہ صرف اس وجہ سے وہاں گیا ہے تاکہ جیل کی معلومات میں ان کا ہاتھ بٹا سکے ــــ تم دیکھنا وہ سن کر خوش ہوں گے۔

والسلام
نعیم

رقعہ پڑھنے کے بعد میں واقعی اس شخص کا قائل ہو گیا دوسرے دن صبح ان کے والد آن ٹپکے میں نے نعیم کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے وہی بیان کر دیا جو اس نے رقعے میں تحریر کیا تھا اس کا والد یہ سنکر بہت خوش ہوا اور قہقہہ لگا کر بولا ـــــ

دیکھا برخوردار! یوں ہوتا ہے کام ـــــ اللہ تعالےٰ اگر اولاد دے تو ایسی دے۔ ہائے میرا بچہ حوالات میں میرے لئے بند پڑا ہے ـــــ کیسا بیٹا ہے! واہ سبحان اللہ ـــــ دیکھا منصور برخوردار! دعا کرو خدا ہر شخص کو ایسی اولاد عطا کرے۔

اور میں نے سچ مچ ہر ایک کے لئے ایسی اولاد کی دعا مانگی ـــــ دوسرے دن وہ بزرگ اپنے بیٹے کو چھڑا لائے اور ایک دن قیام کے بعد میرے غریب خانے کو خیرباد کہہ گئے۔

منصور رک گیا میں اور ناصر بھائی اپنے مہمانوں پر غور کرنے لگے ـــــ بل ادا کر کے جب ہم باہر نکلے تو رات کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی اور ہم دونوں بھائی منصور کے مہمان کے ساتھ اپنے خالہ زاد بھائی کو ملاتے ہوئے عجیب کوفت محسوس کر رہے تھے۔

ریل میں گفتگو

ہمیں ایک رشتہ دار کی شادی میں شریک ہونے کے لئے راولپنڈی جانا تھا، منصور بھی اس میں مدعو تھا، اور ہمارا خیال تھا کہ بس میں راولپنڈی پہنچا جائے مگر منصور نے بس میں جانے سے صاف انکار کیا وہ مصر تھا کہ ہم لوگ اس کے ساتھ ریل میں سفر کریں، ناصر بھائی اور منصور میں بحث چھڑ گئی، بہت دیر تک۔ وہ مجھے بور کرتے رہے وہ اس لئے کہ مجھے یقین ہے کہ وہ دونوں جو کچھ کہہ رہے تھے سن نہیں رہے تھے اور میں پورے خلوص سے ان کی طرف متوجہ تھا آخر میں نے تنگ آ کر کہا ــــ

"خدا کے لئے جلدی کوئی فیصلہ کر ڈالو آخر لڑنے کی کیا بات ہے"

"ہم لیٹ رہے ہیں؟" منصور نے حیرانگی سے پوچھا۔

"ہاں" میں نے تنک کر کہا۔

"ارے! بچہ ضد کر رہا ہے، نادان ہے میں اسے سمجھا رہا ہوں اور تم اسے لڑائی کہتے ہو" منصور نے غصے سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں نادان نہیں ہوں" ناصر بھائی نے سوچتے ہوئے کہا۔

"یہ تم نے نادانی کی سب سے بڑی بات کی ہے" منصور نے میری طرف دیکھ کر ناصر سے کہا:

"خیر کچھ بھی ہو —— ہم ریل میں نہیں جائیں گے" ناصر بھائی نے موضوع بدلا۔

"پھر وہی ضد" منصور نے بزرگوں کا لہجہ اختیار کیا۔

"ٹھیک تو ہے منصور" میں نے کہا۔

"کیا؟" منصور گھورا۔

"یہی کہ —— بھئی ریل میں بہت رش ہوتا ہے۔ گھٹن ہوتی ہے، شور ہوتا ہے" میں بات کرتے کرتے الجھ گیا۔

"جی ہاں —— اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ گاڑی میں درجے

ہوتے ہیں پہلا درجہ دوسرا درجہ تیسرا درجہ پھر اس کے آگے انجن لگا ہوتا ہے انجن کا رنگ کالا ہوتا ہے یہ بھاپ سے چلتا ہے اس میں پتھر کا کوئلہ ڈالا جاتا ہے ایک گارڈ ہوتا ہے جو عموماً انگریز ہوتا ہے، پھر ایک خاص مین ہوتا ہے گاڑی کو پہیئے لگے ہوتے ہیں یہ ہر اسٹیشن پر رکتی ہے، مسافر اترتے ہیں، مسافر چڑھتے ہیں پلیٹ فارم پہ دکانیں ہوتی ہیں چھابڑی والے طرح طرح کی آوازیں لگاتے ہیں ـــــ اور ـــــ" منصور رک گیا۔

"توبہ" ناصر بھائی نے گہرا اور لمبا سانس لیا، میں سہما ہوا تھا اور زمین پہ نظریں گاڑے بیٹھا تھا۔

"اور کچھ" منصور میری طرف دیکھ کر بولا۔

میں چپ رہا تو وہ بلند آواز میں نرمی سے بولا ـــــ

"بتاؤ بھئی، ہمیں بھی کچھ معلومات دو ناریل گاڑی کے متعلق" وہ رک گیا اور پھر غصے میں بولا۔

"تم واقعی جاہل ہو، مجھے پتا ہے میں ریل میں رش ہوتا ہے، شور ہوتا ہے گھٹن ہوتی ہے ـــــ اوہو! آپ شاعری فرما رہے ہیں ـــــ میں کہتا ہوں تم میرے ساتھ ریل میں جاؤ گے ـــــ"

"مگر بڑی بات یہ ہے کہ ذرا مشکل ہے۔" میں نے کہا

"دیکھو ناصر! اسے سمجھا لو۔" منصور نے ناصر سے کہا۔

"مگر منصور! ضد تو تم کر رہے ہو، آخر فائدہ کیا ہے ریل گاڑی کا، کچھ بتاؤ بھی۔" ناصر بھائی نے کہا۔

"سنو!" منصور ناصر بھائی کی طرف دیکھ کر بولا۔

"ریل کے فائدوں میں سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس میں آدمی کو بور ہونے کا بہترین موقعہ ملتا ہے اور اگر غور کیا جائے تو ملاقات کی صورتوں میں سب سے بڑا سب سے بہتر اور سب سے دلچسپ طریقہ یہی ہے کسی دوسری جگہ ہم اکثر انہی بنی نوع انسان سے کتراتے ہیں لیکن ریل میں ہم چاہیں یا نہ چاہیں ہمیں ہر قسم کے آدمی کو دیکھنا پڑتا ہے یہی وجہ ہے کہ جتنی روحانی تکلیفیں بعض لوگوں کو ریل کے سفر میں پہنچتی ہیں اور کہیں نہیں پہنچتیں، لیکن جتنی عجیب و غریب معلومات انسان کو یہاں سے حاصل ہوتی ہیں اور کہیں سے نہیں ہوتیں۔

مثال کے طور پر دو آدمیوں میں بحث ہو رہی ہے اس پر غور نہ کیجئے کہ بحث کا موضوع کیا ہے مگر آپ یہ محسوس کریں گے جیسے یہی لوگ نظام کائنات

کو سنبھالے ہوئے ہیں اور اگر خدا نخواستہ یہ نہ رہیں تو دنیا یتیم ہو جائے۔

بعض اوقات بحث کا موضوع زبان ہوتا ہے، ہر شہر اور صوبے کی تہذیب اور تمدن کے متعلق تمام معلومات بہم پہنچا کر دو شخص ایک دوسرے کو قائل کرنا چاہتے ہیں کہ میں زبان کے متعلق جس شہر کو پیش کر رہا ہوں وہ بہترین ہے اور وہاں کے لوگ بہترین زبان بولتے ہیں اور اکثر اس زبان کی بحث کی نوبت ہاتھا پائی تک پہنچتی ہے اور ان سب لوگوں کو اس بحث میں شریک ہونا پڑتا ہے جو اب تک انجان بنے بیٹھے تھے۔

میرے شملے کے سفر میں ریل میں میرے قریب بہت سادہ مگر کافی امیر دو شخص بیٹھے تھے کہ ان کے درمیان اچانک باتیں کرتے کرتے بحث چھڑ گئی کہ انگلستان دنیا کا متمول ترین اور خوشحال ملک کیوں ہے ان دونوں میں جہاں تک میں اندازہ کر سکا شرافت کی بہت کمی تھی مگر پھر بھی وہ نہایت متانت کے ساتھ ایک دوسرے کی دلائل کے خلاف دلائل پیش کر رہے تھے ایک شخص جس کی دولت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ وہ پیدل چلنے کے قابل نہیں تھا یہ بات نہایت زور سے کہہ رہا تھا کہ ـــــــ

"انگلستان کی یہ حالت اس لئے ہے کہ حکومت دولتمندوں کا بہت

خیال رکھتی ہے" اور اسی کو خوشحالی کی وجہ بتاتا تھا، لیکن دوسرے کو اس نظریے سے قطعاً اختلاف تھا وہ انگلستان کی ترقی کا راز فرض شناسی کو سمجھتا تھا اور اس سلسلے میں ہر قسم کی غلط بیانیوں سے کام لے رہا تھا مثلاً وہ کہہ رہا تھا ——

"انگریز فرض شناس ہوتے ہیں اور قانون کا احترام کرتے ہیں" اگر آپ لوگوں نے انگریزوں کو دیکھا ہے تو آپ اس کے جھوٹ کا اچھی طرح اندازہ کر سکتے ہیں، اسی سفر میں مجھے دو چھوٹے طبقے کے آدمیوں سے واسطہ پڑا جو شکل صورت سے کامریڈ معلوم ہوتے تھے ان میں سے ایک شخص جس کا چہرہ باوازِ بلند چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ میں احمق ہوں اتنی ہی بلند آواز میں کہہ رہا تھا ——

"ڈنمارک نے قبول کر لیا، جاپان اور جرمنی میں بھی یہی ہوتا ہے انگلستان میں بھی یونہی ہونے والا ہے، امریکہ بھی اس سے گریز نہیں کر سکتا —— تو پھر ہم کیوں نہ کریں —— آخر ہم کیوں نہ کریں —— آخر ہم کیوں علیحدہ رہیں —— پھر تھوڑے عرصے کے بعد اس نے قریب قریب چیخ کر کہا ——

"فرانس میں بھی یہی ہے تو ہم کیوں نہ اسے اپنا لیں —— اور جب وہ

یہ کہہ رہا تھا تو اس کے چہرے سے ایک تکلیف کا اندازہ ہو رہا تھا جیسے اگر وہ جو چاہ رہا ہے نہ ہوا تو دنیا تاریک ہو جائے گی۔

دوسرا آدمی جس کے ہاتھوں میں ہر قسم کے اخباروں کا ایک پلندہ تھا اپنی آواز کو اتنا ہی بلند کرتے ہوئے بولا ــــ

"اس لئے کہ ہم سمجھ دار ہیں ــــ اس لئے کہ ہم جانتے ہیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے ــــ اس لئے کہ ہمارے اپنے نظریے بھی ہیں ــــ اور اس لئے کہ ہم لکیر کے فقیر نہیں ہیں"

پہلے آدمی نے تعجب سے اپنے ساتھی کو دیکھا اور دکھوئی ہوئی آواز میں بولا ــــ

"کیا واقعی؟ ــــ"

"ہاں" اس کے ساتھی نے بڑے وثوق سے جواب دیا اور کہا "انگلینڈ کو کس نے بنایا ہے؟"

"خدا نے" اور پہلے آدمی نے بلا سوچے سمجھے کہا

اور دوسرے آدمی کے اوپر سکتے کا سا عالم طاری ہو گیا اور اس نے ہمت کر کے رکتے رکتے کہا ــــ

"ہاں ہاتم ٹھیک کہتے ہو" اور یہ کہتے کہتے اس نے اپنا داہنا ہاتھ اس زور سے بائیں ہاتھ پہ مارا کہ قریب ہی سوئے ہوئے ایک بچے کی آنکھ کھل گئی اور اس نے صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے رونا شروع کر دیا، اور خدا خدا کر کے بحث کچھ عرصے کے لئے رک گئی۔

بچے کے چپ ہو جانے پر پہلے آدمی نے آہستہ سے کہا۔

"بات یہ ہے کہ میں ثابت کر سکتا ہوں" دوسرے آدمی نے دلچسپی کا اظہار کئے بغیر کہا ــــ

"مذاق مت کرو ــــ" اور پہلے آدمی نے اپنی بات کو صحیح ثابت کر دیا، اور جب یہ بات ثابت کرتے وقت اس کی آواز درجہ بدرجہ بلند ہوتی گئی تو اس کے چہرے پر شکایت کے آثار بڑھتے گئے۔ اور دوسرے آدمی نے اسی بے تعلقی سے کہا ــــ

"کیا احمقانہ بات ہے، لاحول ــــ" اس کے بعد ایک خاموشی چھا گئی، دوسرے آدمی نے اخبار کھول کر مطالعہ شروع کر دیا اور پہلا آدمی سگریٹ لبوں پہ رکھ کر ماچس کے لئے جیبیں ٹٹولنے لگا مگر دوسرے آدمی نے غراتے ہوئے کہا ــــ

"تم سگریٹ نہیں پی سکتے ——— !" اور اس نے سگریٹ کو جیب میں رکھ لیا اور ہلکی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر بصد کوشش پیدا کیے ہوئے بولا ———

"اچھا! یہ بات ہے" اور پھر باقی سفر میں وہ ایک دوسرے سے آنکھ بچاتے رہے۔

اسی طرح شملے سے واپسی پر اسی قسم کی گفتگو کا آغاز کمپارٹمنٹ کے ایک کونے میں ہوا، اس گفتگو میں حصہ لینے والے دو حضرات تھے ایک صاحب لمبے قد ورزشی جسم اور دو عدد خوفناک مونچھوں کے مالک تھے وہ بڑے اطمینان سے ٹانگیں پھیلائے اور ٹانگوں پر ایک قیمتی کمبل ڈالے سگریٹ کے ہلکے ہلکے کش لگا رہے تھے، اور میں سوچ رہا تھا کہ کاش خدا نے مجھے بھی مونچھیں رکھنے کی توفیق عطا فرمائی ہوتی تو ذرا یہاں مقابلہ تو رہتا، خیر! تو یہ مونچھوں والے صاحب ذہنی طور پہ پہل قدمی بھی کر رہے تھے اور دوسرے صاحب پست قد نازک جسم اور آنکھوں کے درمیان ایک بہت لمبی ناک لگائے ہوئے تھے (یہ لگائے ہوئے میں نے صرف اس لئے کہا ہے کہ وہ ناک میں یقین سے کہہ سکتا ہوں ان کی نہیں تھی)، بہر حال یہ صاحب اپنی نشست

پر پہلو بدل رہے تھے یا یوں سمجھئے کہ بحث یا گفتگو کے لئے پر تول رہے

تھے یا پھر یوں محسوس ہوتا تھا شاید انہیں کوئی دورہ پڑنے والا ہے ـــ

پھر خیال آیا شاید انہیں کمبل نہ ہونے کے احساس سے بے چینی ہو رہی

ہے یا شاید سچ مچ ہی کوئی تکلیف ہو ـــ میں اسی الجھن میں تھا کہ ان کو

دورہ پڑ گیا ـــ

"کیوں صاحب! آپ کا نام فتح محمد خاں تو نہیں؟"

"جی معاف کیجئے! شاید آپ مجھ سے مخاطب ہوئے ہیں" دوسرا

آدمی چونکا۔

"جی ہاں" وہ مسکرا کر بولا۔

"فرمائیے" دوسرے نے کہا

پہلے آدمی نے کہا: "میں پوچھ رہا تھا کہ آپ کا نام فتح محمد خاں تو نہیں؟"

دوسرے نے کہا: "جی ہاں! نام تو میرا بالکل ہو بہو یہی ہے ـــ"

اور پھر فتح محمد خاں نے ان صاحب کو بڑی متجسسانہ نگاہوں سے پورے

کا پورا ٹٹولتے ہوئے دیکھا اور "زیر مونچھ" ایک ہلکی سی مسکراہٹ پیدا کر کے

بولے ـــ

"اور آپ بھی معاف کیجیئے۔۔۔ آپ کا نام کہیں اصغر بیگ تو نہیں؟"

اصغر بیگ نے کہا: "ہاں ہاں! واللہ (اشتیاق کے ساتھ) بالکل آپ ٹھیک پہنچ گئے۔

فتح محمد بولا: "آداب عرض ہے بیگ صاحب!"

"آداب عرض قبلہ! خوب ملاقات ہوئی ہے صاحب۔" بیگ صاحب ہنس رہے تھے، خدا جانے ملاقات پر، مونچھوں والے پر یا پھر اپنے اوپر۔

"میرا خیال ہے" فتح محمد بولا "ہم غالباً چار سال بعد ملے ہیں۔"

"جی نہیں۔" بیگ نے سوچتے ہوئے کہا: "قریباً تین سال بعد۔۔۔"

"اچھا" فتح محمد گہری سوچ میں پڑ گیا: "تین سال۔۔۔ نہیں۔۔۔ میرا خیال ہے ہم۔۔۔ ہم کوئی تین سال دس مہینے بعد ملے ہیں۔"

"اجی نہیں" بیگ نے اور گہرائی میں جا کر کہا۔۔۔ "ہم ملے تھے اکتوبر میں۔۔۔ وہاں۔۔۔ ڈلہوزی میں۔۔۔ میں اپنا کتا ڈھونڈھتا پھر رہا تھا۔۔۔ وہیں آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔۔۔ اکتوبر۔۔۔ کوئی ہم تین سال اور دو مہینے کے بعد ملے ہیں۔۔۔ خیر!"

"کہیئے کیا کر رہے ہیں آپ؟" فتح محمد نے پوچھا۔

"پہلے آپ بتائیے" بیگ صاحب مسکرائے۔

"کیا بتاؤں میں تو بس ——" فتح محمد رک گیا۔

"اجی اس میں جھجک کاہے کی ہے؟" بیگ نے کہا

"کوئی بھی تو نہیں" فتح محمد ہنسنے لگا۔

"تو پھر؟" بیگ سراپا سوال بن گیا۔ اور جب فتح محمد نے دیکھا کہ اب بن بتلائے بات نہ بنے گی تو ہنس کر کہنے لگے ——

"کیا عرض کروں، وہی پرانا دھندا، میں قالینوں کا کام کرتا ہوں شہر بہ شہر قالین بیچتا ہوں"

"واہ! اچھا کام ہے" بیگ خوش ہوا۔

"اجی شکریہ" فتح محمد اتنی بڑی مونچھوں کے باوجود شرما گیا۔

"اور کہیے —— آپ کی بیگم کا کیا حال ہے؟ آپ کے بچے وغیرہ ٹھیک ہیں نا" بیگ نے قریب سرک کر کہا:

"جی بچے تو ٹھیک ہیں بیگم کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں پیٹ کی شکایت ہے" فتح محمد نے جواب دیا۔

"جی ہاں اور اکثر یہ عورتوں ہی کو ہوتی ہے، ہلکے پیٹ کی جو ٹھہریں" بیگ کے جبڑے پھیل گئے!

"کہیے آپ نے بھی شادی کی یا ابھی ——" فتح محمد نے بیگ کو گھورا۔

"نہیں صاحب! اور نہ ہی ارادہ ہے ——— میں تنہا ہوں اور خان صاحب! ایمان کی بات تو یہ ہے کہ تنہائی بہت بڑی نعمت ہے ——— بیگ یوں سنجیدہ ہو گیا جیسے کوئی فلسفے کی بات کی ہو۔

"یہ سب کچھ جگہ پر منحصر ہے" فتح محمد نے کہا۔

"کہیں پڑھا ہے۔ یہ فقرہ؟" بیگ نے خان کو مشکوک نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

"جی ہاں! یہ برنارڈ شا نے لکھا ہے اپنے مضمون "عورت اور میں" میں" فتح محمد ہنسنے لگے۔

"خوب" بیگ صاحب بہت متاثر ہوئے۔

اس دوران میں ادھر کے تمام مسافر سو چکے تھے صرف میں ان باتوں کو بڑے خلوص کے ساتھ سن رہا تھا۔ اصغر بیگ فتح محمد کے کمبل میں اپنی ٹانگیں چھپا چکے تھے اب دونوں حضرات کی حالت یہ تھی کہ ایک غنودگی چھائی ہوئی تھی ——— جیسے اس وقت تم پہ چھا رہی ہے ناصر ——— "منصور نے بلند آواز میں ناصر کی طرف دیکھ کر کہا ——— اور ناصر بھائی چونک کر بیٹھ گئے ———

"تو ہاں" منصور نے کہنا شروع کیا۔

"تو وہ دونوں اب ایک دوسرے کی باتوں کا جواب دے کر گویا ایک دوسرے پر احسان کر رہے تھے، کچھ عرصے کے بعد پھر اس قسم کی باتیں ہونے لگیں۔

"صحت برقرار رکھنے کے لئے نیند بڑی ضروری چیز ہے" فتح محمد نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں! مگر نہیں زندہ رہنے کے لئے نیند سے زیادہ خوابوں کی ضرورت ہے" اصغر بیگ نے کہا۔

"اچھا! کیا یہ سچ ہے" فتح محمد بڑبڑایا۔

"بھئی یہ کسی نے کہا ضرور ہے — خیر! آپ ذرا کمبل ادھر ادھر سرکا دیجئے" اصغر بیگ نے التجا کی۔

"یہ کمبل میری بیگم کا ہے — بیگ صاحب" فتح محمد نے نرمی سے کہا "اچھا! کیا واقعی؟ پھر تو — بڑا پیارا ہے — بڑا خوبصورت — بڑا ملائم ہے یہ — اور پھر رنگ کتنا صاف ہے —" بیگ بھٹک گیا شاید۔

"یہ کمبل ۸۰ روپے میں خریدا تھا ___ بیگ صاحب" فتح محمد نے اطلاع دی اور اپنی امارت کا رعب ڈالا۔

"راحت! راحت کے لئے دولت کیا چیز ہے میرا مطلب ___ دولت کی کوئی قیمت نہیں ___ یعنی حقیقت نہیں۔ اور آجکل ___ آپ کو کیا معلوم خان صاحب کہ ___ انڈوں کا بھاؤ ___ بھی دن بدن ___ بڑھتا ہی جا ___" بیگ صاحب نے جمائی لی۔

"جی ہاں! کاروبار بھی تو ایک جوا ہے" فتح محمد نے کہا۔

"اچھا!" اصغر بیگ ذرا سا چونکا ___ اچھا خان صاحب! تبھی شرما رہے تھے آپ ___ کاروبار ___ اور وہ بھی جوا ___ ہی ___ ہی ہی" بیگ جیسے خواب میں ہنسا۔

"ارے بھئی شرم کا ہے کی" فتح محمد نے ہنسی میں شریک ہو کر کہا۔

"ہاں! بالکل ___ کاروبار میں کیا شرم" بیگ نے بلند آواز میں کہا۔

"کیا چیز؟" فتح محمد نے سوال کیا

"جا ہے کچھ بھی ہو" بیگ نے جواب دیا۔

"آپ کو نیند آئی ہے بیگ صاحب؟" فتح محمد نے سوال کیا۔

"خدا نہ کرے۔" بیگ صاحب چونک کر بولے تو کیا کہا نیند آپ نے
— ابھی نہیں — سفر میں مجھے نیند نہیں آتی۔"
"یہ تو پھر صحت کی کمزوری ہے" فتح محمد وثوق سے بولے
"اجی واہ! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" بیگ صاحب نے کہا۔
پھر ایک خاموشی چھا گئی، اس کے بعد آہستہ آہستہ گاڑی کی رفتار
کم ہو گئی اور جیسے ہی گاڑی ایک اسٹیشن پر رکی، اور اس کے دھکے سے
بیگ اور فتح محمد یکدم اکٹھے چونکے اور بیک وقت بولے —
"کیا بات ہے؟" اور پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگے او
بیگ صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔
"اسٹیشن"
مجھے ناصر میاں اسی اسٹیشن پر اترنا تھا مگر جی نہ چاہتا تھا ان کی اتنی
دلچسپ باتیں سنتے سنتے اب تو گاڑی میں دل لگ گیا تھا مگر ناچار ہو
کر اتر گیا، مڑ کر دیکھا تو فتح محمد بیگ صاحب سے کہہ رہے تھے۔
"کیا نام ہے اس کا بھئی — یکھ میں بھول گیا — اور جانے
کا ہے کا خطاب ملا ہے اسے — تم بتاؤ بھلا —؟" اور فتح محمد آنکھیں

مل کر اپنی نیند کو چھپا رہا تھا، اس کی بڑی بڑی مونچھیں جیسے کی نیند سو رہی تھیں۔

اب تم لوگ بتاؤ اتنی دلچسپ ریل کی سیر کو چھوڑ کر میں کس طرح تمہارے ساتھ بس میں سفر کروں۔ منصور کچھ دیر تو ہمارے فیصلے کا انتظار کرتا رہا پھر میری طرف دیکھ کر بولا ـــــ

"تم بتاؤ بھئی ریل میں چلو گے یا بس میں ؟"

"ریل میں ـــــ" میرے منہ سے ایک دم نکل گیا اور ناصر بھائی کی گھورتی ہوئی آنکھیں بعد میں نظر آئیں۔

گاڑی چلنے میں ابھی پندرہ منٹ باقی تھے ہمارا کمپارٹمنٹ بالکل بھرا ہوا تھا، منصور کے قریب ایک آدمی کھڑا تھا خوب ورزشی جسم والا اور لمبا تڑنگا، منصور نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ یہاں بیٹھ جائیے"۔ اور وہ شخص اطمینان سے بیٹھ گیا۔ منصور پلیٹ فارم پر جانے کیا لینے کے لئے چلا گیا جب، گاڑی چل دی تو وہ کمپارٹمنٹ میں نظر آیا اس کے ہاتھ میں "ھلالe" میگزین تھا، وہ اپنی سیٹ کے قریب آکر بولا ـــــ

"آپ یہاں کھڑے ہو جائیے" اور وہ لمبا تڑنگا شخص شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنی جگہ پہ کھڑا ہو گیا۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟" منصور کے پاس بیٹھے ہوئے ایک آدمی نے پوچھا۔

"نہیں بتاتے" منصور نے بچوں کی طرح ہنستے ہوئے کہا، اور وہ آدمی گاڑی کے باہر دیکھنے لگا، اور منصور اپنے سامنے کی سیٹ والے ایک بوڑھے آدمی سے کہنے لگا ——

"میں راولپنڈی جا رہا ہوں —— آپ؟"

"میں گجرات جا رہا ہوں" بوڑھے نے مسکرا کر کہا

"یہاں مٹی کے روغنی برتن بنتے ہیں" منصور نے اداس ہو کر کہا

"جی!" بوڑھا رک کر بولا: "آپ کا دولت خانہ کہاں ہے؟"

"میری جیب میں!" منصور نے جواب دیا۔ بوڑھا شاید سن نہ سکا اور ذرا بلند آواز میں بولا۔

"میں نے کہا —— آپ کا دولت خانہ کہاں ہے؟"

"یہ رہا" منصور نے جیب سے بٹوا نکال کر بوڑھے کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

بوڑھا اسے لوٹاتے ہوئے بولا ——

"میرا مطلب یہ نہیں کہ —— " اور منصور بات کاٹ کر بولا۔

"یہ صرف خانہ ہے دولت ختم ہو چکی ہے۔"

"تم مذاق کر رہے ہو" بوڑھے نے مسکرا کر کہا۔

"آپ شرمندہ کر رہے ہیں" منصور مچل گیا

"میں آپ کا میگزین دیکھ سکتا ہوں ؟" دوسرے ایک آدمی نے کہا

"جی ہاں" منصور نے میگزین والا ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا "یہ دیکھیے"

اور پھر میگزین بغل میں رکھ لیا، وہ شخص پھر بولا۔

"کیا میں پڑھ بھی سکتا ہوں ؟"

"جی نہیں" منصور نے اسے رعب سے جواب دیا۔

"کیوں ؟ اس نے سوال کیا

"اور لوگ برا مانیں گے" منصور نے اطمینان سے کہا۔

"کیوں ؟" اس نے پھر سوال کیا۔

"کیونکہ میں اپنا میگزین کسی کو نہیں دیتا" منصور ہنس رہا تھا، میں نے ناصر بھائی کی طرف دیکھا اور ناصر بھائی یوں نظر آ رہے تھے جیسے یہ ظاہر

کرنے کی کوشش کر رہے ہوں کہ وہ منصور کے ساتھ نہیں ہیں۔ اور میں —
کیا بتاؤں گاڑی میں آئینہ نہیں تھا۔

نقاد

ناصر بھائی پانچ چھ روز بیمار رہے جس کی وجہ سے میں کالج نہ جا سکا، اس ہفتے بھر کی غیر حاضری کے بعد جب میں اور ناصر بھائی کالج پہنچے تو نقشہ ہی بدلا ہوا پایا، جسے دیکھو سہما ہوا اور خوف سے آنکھیں چھپائے مڑ مڑ کر دیکھتا ہوا چلا جا رہا ہے، ہم بہت حیران ہوئے یہ تو تصور میں بھی نہ آ سکا کہ اس تمام خوف و ہراس کی وجہ منصور ہے، کئی لڑکوں سے سوال کیا مگر کسی نے جواب نہ دیا ناصر بھائی کو تو یہ شبہ ہوا کہ لڑکے ہمیں دیکھ کر خوف کھا رہے ہیں

میں اور بھی حیران ہوا اور آئینے میں جا کر صورت دیکھی اور واقعی مجھے اپنی حالت پر رونا آگیا، پریشان گھبرایا ہوا چہرہ افسردہ اور پشیمان آنکھیں

آخر بات کیا ہے، میں نے خود سے سوال کیا، ہم پریشان اور پشیمان کیوں ہوں؟ ہم نے کسی کے ساتھ کوئی دھوکہ نہیں کیا پھر یہ کالج کے لڑکے ہمیں دیکھ کر اس طرح گریز کیوں کر رہے ہیں، میں اور ناصر بھائی قریب تھا کہ رو دیں کہ ہم نے دور سے منصور کو آتے ہوئے دیکھا اس نے ہمارے تعجّب میں اور بھی اضافہ کیا، سنجیدہ اور پروقار چہرے پر تبسم جھلک رہا تھا۔

"یہ دو دن میں کیا ماجرا ہو گیا؟" ناصر بھائی نے بچوں کی طرح سبق یاد کرتے ہوئے کہا۔ اور میں لپک کر منصور کی طرف بڑھا، منصور نے مسکرا کر میرا اور ناصر بھائی کا استقبال کیا اور تیز لہجے میں بولا ——

"تم دونوں کہاں غرق ہو گئے تھے؟ یہ تم نے دیکھا، کالج کو ایک ہفتے کے اندر اندر میں نے کتنا بدل دیا ہے؟"

منصور خوش تھا اور فخر سے اس کی پتلی گردن اور اکڑ گئی اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا ناصر بھائی بولے ——

"منصور! یہ ماجرا کیا ہے؟"

"بتا دوں؟" منصور نے شرارت سے پوچھا۔

"ہاں ہاں فوراً بتاؤ" میں نے بیتاب ہوتے ہوئے کہا۔

"تنقید!" منصور نے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر آغا حشر کے دور کے سٹیج ایکٹروں کی طرح کہا۔

"کیا مطلب؟" ناصر بھائی نے چڑ کر پوچھا

"دیکھو ناصر!" منصور نے دھمکی کے انداز میں کہا۔

"جب تم کسی انسان سے کسی قسم کی معلومات حاصل کرنے کے خواہاں ہوتے ہو، اس وقت تمہیں چاہیئے کہ صبر اور استقلال اور وضعداری کو مدِ نظر رکھو، یعنی یہ کہ اپنی خودی کو اپنے کردار کو قائم رکھتے ہوئے اطمینان اور تحمل کے ساتھ اس سے سوال کرو، معلومات حاصل کرتے وقت بیتابی یا خوشامد سے کبھی پیش نہیں آنا چاہیئے میں تمہیں اس مسئلے پہ وضاحت کے ساتھ پھر کبھی بتاؤں گا بہرحال اس وقت تم بہت بے صبر سے نظر آرہے ہو اور یہ بے صبری معلومات حاصل کرنے کی راہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے مگر خیر میں تمہیں بتائے دیتا ہوں" یہ کہہ کر منصور رکا اور دور گھاس کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"آؤ اس بنچ پہ چلیں" ہم دونوں اس کے ساتھ ہو لئے۔ بنچ پہ بیٹھ کر منصور نے سانس لیا اور پھر بہت آہستہ آہستہ اس نے بولنا شروع کیا۔

"بات دراصل یوں ہے کہ پیر کے روز کالج میں مباحثہ تھا۔ مجھے تنقید پہ کچھ کہنا تھا، کالج نے مجھے صرف بولنے کے لئے آدھ گھنٹہ دیا۔ اب تم جانو کوئی ذمہ دار آدمی کسی ذمہ دار بات پہ میرا مطلب ہے کہ موضوع پر اس تھوڑے سے وقت میں وہ سب کچھ نہیں بتا سکتا جسے کالج کے یہ معصوم اور جاہل طالب علم یا پروفیسر سمجھ سکیں ـــــ خیر اس کے باوجود جب میری باری آئی تو میں نے بولنا شروع کیا۔ صدر نے مجھے تین دفعہ ٹوکا اور میں نے ہر بار اسے نظر انداز کر دیا۔ آخر اس نے مجھے سٹیج پہ سے اترنے کے لئے مجبور کر دیا اور میں نے اسٹیج پہ سے اترتے وقت کہا ـــــ "مجھے افسوس ہے کہ کالج نے موضوع انتخاب تو کر لیا مگر بولنے کے لئے پورا وقت نہیں دیا، بہر حال میں ہر طالب علم کو اس موضوع پہ اچھی طرح سمجھا دوں گا ـــــ اور میاں! اب یہ لڑکے یا پروفیسر لاکھ کہیں میں انہیں ہرگز معاف نہیں کروں گا ـــــ"

"مگر منصور! یہ لڑکے تو یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ہم سے خوف کھا رہے ہیں"
ناصر بھائی نے کہا۔

"ٹھیک تو ہے" منصور نے ہنس کر کہا "بھئی اب تم بھی تو میری ہی طرح کے ایک جینئس ہو ـــــ میرے ساتھ رہتے ہو نا اس لئے یہ لڑکے تم سے بھی

ڈرتے ہیں" ناصر بھائی نے جھلا کر کہا

"مگر منصور! ہم یہ نہیں چاہتے ـــــ ہمیں زندہ رہنا ہے"

"تم احمق ہو ـــــ" منصور نے حقارت سے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا

"تم فانی انسان ـــــ تمہاری زندگی ان معصوم اور جاہل لوگوں سے وابستہ ہے، تمہیں شرم آنی چاہیئے ـــــ اور تمہیں بھی" منصور نے میری طرف اشارہ کر کے کہا ـــــ

"اگر تم بھی یہ خیالات رکھتے ہو ـــــ ارے تم منصور کے ساتھ رہتے ہو، علم و دانش تمہارے بے دام غلام ہیں ـــــ میں نے چاہا تھا کہ تم کو لافانی بنا دوں، مگر تم اس قدر سستا اور گھٹیا ذہن اس کھوپڑی میں رکھتے ہو کہ میں ندامت محسوس کرتا ہوں، ارے دنیا سے علیحدہ رہ کر دنیا میں رہو، عوام سے دور رہو، تم میں انفرادیت ہونی چاہیئے تمہاری خاص شخصیت ہونی چاہیئے تاکہ لوگ تم سے ڈریں، تمہاری عزت کریں تمہارا ذکر کبھی بلند آواز میں نہ کریں بلکہ جب انہیں تمہاری بابت کچھ کہنا ہو وہ سرگوشی کا لہجہ اختیار کر جائیں، اس میں عظمت ہے، اور یہ کامرانی کا راز ہے۔" ناصر بھائی ادھر ادھر دیکھ رہے تھے میں نے موضوع بدلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ـــــ

"اور سناؤ منصور! اس کے علاوہ تم نے کیا کیا؟"

"اور کیا کیا؟" منصور نے سوال دہرا کر مجھے سرگوشی میں کہا۔

"ارے نالائق! تمہارا کیا خیال ہے یہ جو کام میں کر رہا ہوں کوئی کم ہے کہ اس کے علاوہ کچھ اور بھی کر سکوں، ابھی کالج کے چند لڑکے اور پرنسپل رہتا ہے ان سے بھگت لوں پھر بات کروں گا ——" ہم یہ باتیں کر رہے تھے کہ ناصر بھائی نے گھڑی دیکھ کر کہا ——

"چلو بھئی —— ہمارا پیریڈ لگنے والا ہے!"

"ہاں جاؤ" منصور نے سخاوت سے کام لیتے ہوئے ہمیں معاف کر دیا

کئی دن گذر گئے، مگر منصور پہ سے تنقید کا موڈ نہ گیا بلکہ بجائے کم ہونے کے کچھ بڑھ گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ مجبوراً نقاد بن گیا اس کا چہرہ ہی ایسا تھا کہ ایڈیٹر حضرات بھی اُسے دیکھ کر درشتی اختیار نہ کر سکتے تھے، وہ سب سے اچھا، سب سے بھلا اور سب سے نرم نقاد بن گیا۔ نرم سے میری مراد صرف یہ ہے کہ اس کی تنقید میں بڑی نرمی اور ملائمت تھی وہ بڑے اطمینان اور احتیاط کے ساتھ ہلکے پھلکے الفاظ میں بڑی موزوں اور بڑی صاف تنقید کیا کرتا، معمولی سے معمولی شعر میں بھی اسے کوئی نہ کوئی

بانکپن نظر آجاتا۔ اس نے یہ نرم انداز اس لئے اختیار نہیں کیا کہ وہ لکھنے والوں سے ڈرتا تھا بلکہ اس کا کہنا ہے کہ جب وہ تنقید لکھ رہا ہوتا ہے تو اسے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے فنکار اس کے برابر دونوں ہتھیلیوں پر اپنا چہرہ رکھے اس سے نگاہوں ہی نگاہوں میں رحم اور ہمدردی کی بھیک مانگ رہا ہے اور وہ کبھی زیر نظر کتاب کے متعلق کوئی سخت جملہ نہ لکھتا تھا، زیادہ لکھنے والوں پر وہ اکثر زیادہ اعتراض کیا کرتا اکثر ان کے ادبی شہ پارے اس کی نگاہ سے گر جاتے اور وہ تنقید کرتے وقت انہیں کبھی معیار سے نہ گراتا تھا۔

ان تمام باتوں کے باوجود منصور لکھنے والوں کو ان کی کمزوریاں دکھانے کی بجائے موضوعات کے تنوع کی طرف توجہ دلایا کرتا وہ ہلکے ہلکے اشارے اور ہلکی ہلکی باتوں میں انہیں بڑے پرخلوص مشورے دیا کرتا اس طرح کہ انہیں احساس تک نہ ہو اور وہ قبول بھی کرلیں ان تمام باتوں کے بعد منصور تنقید کے آخر میں خوب اس کتاب کے خالق اور ناشر کو سراہتا اور یہی وجہ تھی کہ تھوڑے عرصے میں یہ جینئیس شخص ادبی دنیا کا مقبول نقاد بن گیا اور اس کی لائبریری میں بے شمار نئی کتابوں کا اضافہ ہو گیا ——

منصور ہمیں اب کم ملتا تھا مگر وہ تمام رسائل جس میں اس کے ریویو

چھپتے تھے ہمیں بڑی باقاعدگی سے پہنچتے تھے ناصر بھائی نے تو کبھی اردو رسائل کو لفٹ ہی نہیں دی ہیں البتہ منصور کا ریویو ضرور پڑھا کرتا تھا،

معمولی سی بات تھی ایک دن صبح سویرے منہ ہاتھ دھو کر جب منصور میز پر ناشتے کے لئے بڑھا تو اچانک اس کی نگاہ آملیٹ کی پلیٹ پر جم کے رہ گئی، وہ تلملا اٹھا، اس نے زور سے مٹھیاں بھینچ لیں اس کا سنہرے فریم اور موٹے شیشوں والا چشمہ ناک پر ڈھلک گیا اور اس نے حلق کے آخری کونے سے عجیب وغریب آواز نکال کر کہا ——

"بڑے میاں!" اور پھر جب نوکر سامنے آیا تو منصور مسکرانے لگا اور آنکھوں میں حقارت بھر کر بڑے پیار بھرے انداز میں بولا۔

"دیکھو بڑے میاں! بات صرف یہ ہے —— خیر کوئی ایسی بات بھی نہیں ایک حادثہ ہے اور حادثہ بھی کیا ہے ایک معمولی سی بات ہے اور وہ یہ کہ آپ ناشتہ اٹھا لیجیئے، میری وہ ذرا —— طبیعت کچھ اچھی نہیں میں آج ناشتہ نہیں کروں گا ——" نوکر نے حیرانی اور خوف کے ملے جلے احساس سے چاروں طرف دیکھا اور برتن اٹھائے گردن جھکائے کمرے سے باہر چلا گیا۔ منصور لپک کر دروازے کے

قریب پہنچا اور بلند آواز میں بولا ــــ

"بڑے میاں! مجھے افسوس ہے آج میں اتنے اچھے ناشتے سے لطف اندوز نہ ہو سکا" اور پھر وہ کمرے میں ٹہلنے لگا وہ ادھر ادھر گھوم رہا تھا اور ہلکے لہجے میں "لطف اندوز" کے لفظ کو بار بار دہرا رہا تھا اسی حالت میں وہ اپنی میز کے قریب بیٹھ گیا اچانک اس کی نگاہ ایک کتاب پر پڑی جو اس کی میز پر پارسل کی صورت میں پڑی تھی، منصور نے جلدی سے بڑھ کر پارسل اٹھایا پہلے ٹٹولا، پھر سونگھا اور اس کے بعد جلدی جلدی کاغذ علیحدہ کر کے ایک کتاب نکالی اس کے چہرے پر پہلے ایک غصے کی لہر دوڑی اور تھوڑی دیر بعد بڑی پیاری مسکراہٹ بکھر گئی۔ بات اتنی پیچیدہ نہیں تھی، منصور کو کتاب کے نام اور موضوع نے تکلیف پہنچائی تھی اور سرورق اور چھپائی نے حوصلہ افزائی کی تھی کتاب کا نام "ہلچل" اور مصنف کا نام محبوب قندھاری تھا۔ اس نے جلدی جلدی کتاب پڑھنا شروع کر دی وہ کرسی پر کروٹیں بدلنے لگا یوں محسوس ہوتا تھا کہ اسے کسی کل چین نہیں پڑتا کبھی وہ کتاب رکھ کر ہتھیلیاں ملتا کبھی میز پر زور سے ہاتھ مارتا کبھی لاحول کو بلند آواز پڑھتا ان حرکات کو دیکھ کر نوکر سے نہ رہا گیا وہ بولا ــــ

"حضور! بڑے سرکار کو اطلاع کر دوں ——— آپ کی طبیعت زیادہ خراب معلوم ہوتی ہے۔ کوئی دوا، پی لیجیے۔"

مگر منصور نے کوئی جواب نہ دیا اور میز پر سے کتاب پڑھتے ہوئے اٹھا دروازے تک پہنچا دروازہ بند کیا اور کتاب پڑھتا ہوا میز پر آبیٹھا وہ واقعی بہت تکلیف دہ حالت میں معلوم ہوتا تھا آخر کار اس نے کتاب ختم کر دی یا بیزار ہو کر چھوڑ دی بہر حال کتاب میز پر پھینکنے کے انداز سے تو یہی ظاہر ہوتا تھا کہ منصور نے کتاب ختم کر لی ہے، اس کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی اس نے چشمے کو رومال سے صاف کیا اور دوبارہ چشمہ لگا کر قلمدان کو اپنے قریب سرکالیا، قمیص کے بازو چڑھا لئے اور کاغذات لے کر لکھنا شروع کیا جو ریویو منصور نے مجبور قندھاری کی کتاب "ملچل" پر کیا تھا۔ وہ حسب ذیل ہے۔

"ملچل" مصنف ——— مجبور قندھاری

حضرتِ مجبور قندھاری کا مجموعہ کلام "ملچل" ابھی ابھی میری نگاہ سے گذرا، میں نے اسے بڑے اطمینان اور سکون سے پڑھا میں نے مجبور صاحب کی کئی ایک نظمیں شہر کے مقبول ترین وسائل میں پڑھیں

ہیں زہے نصیب آج ان کا فوٹو بھی دیکھ لیا صورت سے کتنے نیک پاک
اور معصوم آدمی معلوم ہوتے ہیں خدا ان کو سیرت کو بھی معصومیت اور
پاکبازی عطا فرمائے یہ میری دعا ہے فن کے لحاظ سے آپ کا کلام عیب بنے
ہے موضوع کا جہاں تک تعلق ہے وہ میں اس کے سوا کیا عرض کر سکتا
ہوں کہ یہ ایک آوارہ ذہن کی ایسی گمرہی ہے جو انسان کو بھیانک غاروں
کی اتھاہ گہرائیوں میں پہنچا دے گی اور پھر یہ دنیا کا افضل ترین فرد تمام عمر
وہاں سسک سسک کر جان دے دے گا میرا ذاتی نظریہ یہ ہے کہ مجبور
صاحب اپنے ان خیالات کے لئے شاعری کی بجائے اگر کوئی اور راہ
ڈھونڈلیں تو زیادہ مناسب ہوگا کیونکہ شعریت کے لئے بہت لطیف
نازک اور حسین جذبات کی ضرورت ہے جو میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں
کہ مجبور صاحب کے ہاں موجود نہیں اب اپنا تخلص مجبور رکھ لینے
سے مجبور صاحب ہمیں اس بات پر مجبور نہیں کر سکتے کہ صاحب میں کیا
کروں میں تو شعر کہوں گا اور ضرور کہوں گا کیونکہ میں مجبور ہوں اور اگر مجبور
صاحب اس بات پر بضد رہیں تو میں ان سے کہوں گا کہ حضرت آپ پھر
یہ مت بھولئے کہ مجبوریاں ہر انسان کو ہوتی ہیں اور جیسے میں مجبور ہو کر

ریویو میں ان کی خدمت کر رہا ہوں اس طرح ہو سکتا ہے کہ کوئی اور شخص مجبور ہو کر انہیں پیٹ ڈالے لہذا میں پورے خلوص کے ساتھ مصنف کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ اپنی اس غلطی کا اعتراف کرے اور آئندہ کوئی اس قسم کی حرکت نہ کرے جس سے میرے قلم کی بجائے کسی اور شخص کا ہاتھ اس پر اُٹھے۔

آخر میں یہ ضرور کہوں گا کہ کتاب کا سرورق دیدہ زیب اور کتابت بہت عمدہ ہے کاغذ بھی بہت اچھا ہے مگر کاش یہ تمام چیزیں اس کتاب کا پبلشر کسی اچھے مصنف کی تصنیف پر صرف کرتا کتاب کی قیمت بہت زیادہ ہے اگرچہ مجھے مفت ملی ہے اس کے باوجود مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں نے یہ کتاب خریدی ہے اور سچ تو یہ ہے میں نے اس خوبصورت اور گھٹیا کتاب کو پڑھنے میں پون گھنٹہ ضائع کیا ہے۔

ریویو لکھ چکنے کے بعد منصور نے نوکر کو بلایا اور ریویو اخبار میں بھیج دیا، دوسری صبح منصور ناشتہ کرتے وقت بہت بشاش نظر آ رہا تھا وہ خوشی خوشی چائے پی رہا تھا کہ اچانک اس نے چائے کا پیالہ میز پر رکھ دیا اور چشمہ اتار کر انگوٹھے کی پشت سے اپنی آنکھوں کو ملنے لگا

ذرا دیر بعد وہ بہت اداس ہو گیا اسے شاید کل کا ریویو یاد آگیا تھا۔ کچھ ہی دیر میں وہ پسینے سے شرابور ہو گیا پھر اس کے آنسو نکل آئے یہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ منصور آج پہلی مرتبہ اپنے اس برے رویے پر رو دیا تھا۔ آج تک بقول اس کے اس نے کبھی کسی کے ساتھ ظلم نہ کیا تھا، منصور کو رہ رہ کر اپنے ریویو کا خیال آ رہا تھا اس کی پشیمانی رفتہ رفتہ گہری اداسی میں تبدیل ہو گئی آج تک اس نے جتنا لکھا تھا اس نے اسے کبھی دکھ نہ پہنچایا تھا ـــــ مگر یہ ـــــ لیکن یہ ـــــ اُف یہ ـــــ منصور غصے سے اپنا سینہ پیٹنے لگا۔

مجبور نے ریویو پڑھ کر خودکشی کر لی ہو گی۔ منصور معصومیت سے سوچتا اس نے اپنے تصور میں خودکشی کے کئی منظر دیکھے، مجبور رسی سے لٹکا ہوا ہے اس کے بازو مرجھائی ہوئی شاخوں کی طرح لٹک رہے ہیں اس کا نچلا ہونٹ اور باہر کو نکلی ہوئی زبان سیاہ پڑ چکی ہے مجبور کی ہیئت اور اس کا جسم سنکھیا کے اثرات سے مکروہ نظر آ رہا ہے مجبور ٹکڑے ٹکڑے ہوا ریل کی پٹڑی پر پڑا ہے لیکن آخر میں ہمیشہ مجبور کی بڑی بڑی آنکھیں منصور کے سامنے آجاتیں اور وہ دیکھتا جیسے مجبور رو رہا ہے اس کی آنکھوں

کے سامنے مجبور کا وجود آجاتا بڑی بڑی آنکھیں اداس اور بے رنگ معصوم چہرہ بے ترتیب بال لمبا قد بڑھے ہوئے ناخن جھکے ہوئے گھٹنے کرخت آواز، مجبور کی آنکھوں میں کتنا غم اور کس قدر اداسی تھی، منصور صوفے پر گر جاتا اور دیر تک اداس رہتا۔

کئی مہینے بیت گئے منصور نے تنقید وغیرہ بالکل چھوڑ دی اور منصور میرے اور ناصر بھائی کے سامنے اقرار کر چکا تھا کہ اس نے جو کچھ بھی کیا ہے برا کیا ہے اب وہ آئندہ کبھی ایسی حرکت نہیں کرے گا۔

گرمیوں کی چھٹیوں میں ہم مری گئے تو منصور نے دیواروں پر بڑے بڑے پوسٹر لگے دیکھے اندھیرے میں پوسٹر صاف دکھائی نہ دیتے تھے اس نے قریب جا کر دیکھا کہ مری میں ملک کا مشہور سینڈو آج رات کو اپنے جسم اور طاقت کے کمالات دکھائے گا، منصور کو ایسے محسوس ہوا جیسے اس کی پیٹھ پر کوئی چیز رینگ رہی ہے ــــ "مجبور" وہ بڑبڑایا "ہلچل" کا مصنف بہترین اور مشہور سینڈو ــــ ناصر نے قریب جا کر منصور کو دیکھا اور کہا ــــ

"کیوں بھئی! پوسٹر کا مضمون زبانی یاد کر رہے ہو؟"

منصور نے دبے لہجے میں کہا: "ناصر! مجبور ۔۔۔ ہلچل کا مصنف"

"پھر کیا ہوا؟" ناصر نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا

"آؤ منصور" میں نے منصور کا ہاتھ تھام کر کہا "آؤ چلیں! دیکھیں گے مجبور آج کل اپنے فن میں کیسا ہے؟"

میں ناصر بھائی اور منصور ہال میں پہنچے، پروگرام سات بجے شروع ہونا تھا ابھی پردہ نہیں اٹھا تھا اور منصور سوچ رہا تھا، کہ آج اسے موقع ملے وہ ضرور مجبور سے اپنے ریویو کے سلسلے میں معافی مانگے گا خدا کا شکر ہے کہ اس نے خودکشی نہیں کی اور آج زندگی میں وہ منصور کو ملے گا اور شاید وہ ہنس کر معاف کر دے گا۔ میں ضرور معافی مانگوں گا، اس نے دل ہی دل میں دہرایا مگر کیا مجبور کا دل میری معافی سے کھل اٹھے گا وہ یہی سوچ رہا تھا کہ پردہ اٹھا ۔۔۔

ایک دراز قد خوش شکل اور ورزشی جسم والا شخص مسکراتا ہوا اسٹیج پر نمودار ہوا، وہ اپنے جسم کی نمائش کے بعد حیرت انگیز کرتب دکھانے لگا، منصور نے اٹھنا چاہا مگر کرسی چیخنے لگی کئی لوگوں نے اسے گھور کر دیکھا اور منصور پھر بیٹھ گیا، میں نے منصور کی یہ حالت دیکھی تو آہستہ سے اس کے

کان میں کہا ــــــ

"تم ڈر کیوں رہے ہو منصور ــــــ مجبور را اچھا آدمی معلوم ہوتا ہے چپکے بیٹھے رہو ــــــ" اور منصور نے رحم طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور مجھے اور ناصر کو ہنسی آگئی۔

کرتب ختم کرنے کے بعد مجبور نے ایک ہلکی سی تقریر صحت اور تندرستی پر کی اور اس کے بعد عام لوگوں کو اجازت دی کہ وہ ہر سوال پوچھنا چاہیں پوچھ لیں۔

لوگ طرح طرح کے سوالات کر رہے تھے اس شور و غل میں منصور نے ایک بار پھر بھاگنے کی کوشش کی مگر میں نے اور ناصر بھائی نے روک لیا۔ میں یہ سب کچھ ختم ہوتے ہی فوراً بھاگ جاؤں گا منصور نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا سوالات ختم ہو گئے لوگ مجبور کا شکریہ ادا کر رہے تھے اور مجبور لوگوں کا، منصور پر جیسے جادو سا ہو گیا اس میں ہلنے جلنے کی بالکل سکت نہ رہی اس کی زرد زرد آنکھیں کشادہ پیشانی کے نیچے سے کچھ نہ دیکھتے ہوئے بھی نہ جانے کیا دیکھ رہی تھیں، ایک دم اسے خیال آیا بھاگنے کا یہی موقعہ ہے لیکن اس کے ہاتھ پاؤں جواب دے گئے، اس

نے دیکھا مجبور تناور درخت کی طرح اس کی طرف آرہا ہے ــــ

"آپ کو کچھ پوچھنا ہے؟" مجبور نے ہماری طرف بڑھ کر کہا، پھر جیسے منصور کو الفاظ مل گئے یا الفاظ کو منصور مل گیا اس نے جلدی جلدی کہنا شروع کیا ــــ

"آپ کی نظموں کے مجموعہ "ہلچل" پر میں نے ریویو کیا تھا، میں منصور ہوں ــــ اور ان سے ملیے" منصور نے ہمارا تعارف مجبور سے کرایا، مجبور نے منصور میں دلچسپی لیتے ہوئے کہا ــــ

"آپ ــــ تو آپ ہیں منصور صاحب" منصور نے دیکھا کہ مجبور کا ہاتھ حرکت میں آیا، اور اس نے جھجک کر اپنا سر جھکا لیا پھر اس نے بہت بڑے ہاتھ کے شکنجے میں اپنا ننھا منا ہاتھ دبتا ہوا محسوس کیا۔

"ارے منصور صاحب ــــ آپ سے تو میں مدتوں سے ملنا چاہتا تھا، آپ ہی تو اکیلے نقاد ہیں جنہوں نے میری کتاب پر صحیح ریویو کیا ــــ اور اس کو تنقید کے قابل جانا ــــ آئیے۔ اب یہاں سے آپ میرے ساتھ ہوٹل چلیں گے ــــ اور وہاں میرے ساتھ کھانا کھائیں گے ــــ آپ لوگ بھی چلیئے" مجبور نے مجھے اور ناصر بھائی کو کہا۔

"واہ منصور صاحب" مجبور پھر بولنے لگا — "آیئے میں آپ کو ساری روداد سناؤں گا، واہ منصور صاحب! آپ کے ریڈیو نے تو مجھے دنوں میں بہت بڑا آدمی بنایا — آپ تو میرے محسن ہیں — ارے صاحب کوئی بہانہ کارگر نہ ہوگا — آپ ضرور چلیں گے — آیئے ناصر صاحب — آپ بھی تشریف لایئے —"

منصور ناصر بھائی اور میں ہم تینوں مجبور کے ساتھ جا رہے تھے، میں نے ایک جگہ روشنی میں منصور کی طرف دیکھا اب بھی اس کے چہرے پہ خوف اور ڈر کے اثرات باقی تھے۔

درخت نے کہا

لورینگز کی کونے والی میز پہ جب ہم نے اسے چائے پڑھتے اور اخبار پیتے ہوئے دیکھا تو ہم چونک گئے ہیں تو خیر اسے پہلی ہی نظر میں پہچان گیا مگر نجمی نے خوف سے ملی جلی آواز میں کہا۔

"یار ہمیں منصور سے ملا ہی دو، بہت باتیں سنیں ہیں ہم نے ان کی"

"تو آؤ" میں نے کہا۔

"مگر یہ منصور پردہ کئے کیوں بیٹھا ہے؟" نجمی نے معصومیت سے پوچھا۔

ہم دونوں اس کی میز کے قریب پہنچے مگر منصور بدستور اخبار پی رہا تھا

نجمی نے ہل جل کر اسے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا مگر منصور نے بڑے اطمینان کے ساتھ صفحہ الٹ کر اخبار اپنے چشمے کے قریب کر لیا۔

"میں نے کہا حضور" میں نے شرارت سے منصور کو متوجہ کرنا چاہا۔

اور منصور اخبار پہ چشمہ گاڑے بدستور قہقہے لگانے لگا، میں نے تنگ آ کر اخبار چھین لیا اور منصور حیران ہو کر کھڑا ہو گیا اور بڑے تپاک سے اس نے ہمارا استقبال کیا حال احوال پوچھا اور بیٹھنے کے لئے خوشامد کرنے لگا نجمی مچل گیا کہ کون کمبخت یہاں بیٹھنے آیا ہے ہم تو بس تمہیں جگانے آئے تھے میں نے منصور سے نجمی کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"منصور! ان سے ملو مسٹر نجمی ——— آپ مصور ہیں!"

"تشریف رکھیئے" منصور ضد کرنے لگا اور پھر اپنے برتاؤ کی معافی چاہی میری سفارش پہ نجمی مان گیا اور ہم چائے پینے لگے منصور نے آنکھیں بند کر کے بولنا شروع کیا۔

"بھئی معاف کرنا میں نے پندرہ بیس روز سے اخبارات نہیں دیکھے تھے آج دوپہر کو اچانک خیال آ گیا اور اسی لئے میں نے یہ دس پندرہ اخبار خرید لئے اور اخبار پڑھ کر مجھے پتہ چلا ہے کہ لاہور میں کافی سردی ہو گئی ہے میں

بھی سوچ رہا تھا کہ لوگ یہ گرم کپڑے پہنے کیوں پھر رہے ہیں۔"
"ارے! یہ لورینگز والوں نے میوزک کیوں بند کر دیا ہے؟" نجمی نے بات ٹالتے ہوئے مجھ سے سوال کیا میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ منصور نے نجمی کو مخاطب کر کے کہا۔
"میں بتاتا ہوں ـــ یہ اچھا ہی تو ہوا ہے میوزک کے ساتھ آدمی اچھی طرح چائے کو نہیں پڑھ سکتا البتہ اخبار پینے کی اور بات ہے۔"
ایک لمحہ خاموشی رہی۔
"تم لوگ بہت خوش نظر آتے ہو۔" منصور نے مشکوک نظروں سے ہمیں گھورتے ہوئے کہا۔ "کیا بات ہے؟ میرا خیال ہے تم مجھے کافی دنوں کے بعد ملے ہو ـــ خیر! ویسے یہ بری بات نہیں مگر یہ تمہارے چہروں پر مسرت کا اظہار کیوں؟ میں مانتا ہوں عوام اسے پسند کرتے ہیں مگر ذہین طبقے میں وہ چہرے جو مسرت یا رنج کا اظہار کرتے ہیں معیوب سمجھے جاتے ہیں حالات سے متاثر ہونا بچپنا ہے اپنے آپ کو موقعہ دو اور رنج و غم سے بے نیاز ہو کر ایک اور پہلو سے دنیا میں رہو، اس طرح کہ غم و خوشی تمہاری زندگی میں کسی قسم کی ہلچل پیدا نہ کر سکیں۔" وہ رک کر بولا۔

"میاں!" اس کی بھدی آواز اور گہری ہوگئی۔

"یہ تو بہلاوے ہیں کھلونے ہیں میں یہ مانتا ہوں کہ انسان بچہ ہے انسان کو معاف کر دو، مگر تم انسان نہ بنو، جینیئس کو ان تمام مقامات سے بلند ہونا چاہیئے۔ یہ تم مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو میاں نجمی؟" نئی نئی ملاقات کے باوجود منصور نے نجمی کو ڈانٹ دیا۔

"تم مصور ہو، میں مانتا ہوں، خوبصورتی رنگ اور متوازن اعضاء دیکھ کر تم مچل جاتے ہو اور حریص نظروں سے اسے گھورتے ہو اور تمہارے ذہن میں وہ چیز سمٹ آتی ہے اور تم بڑی مسرت اور فخر کے ساتھ اسے کاغذ یا کینوس کی سطح پہ رنگوں کے ہمراہ قید کر دیتے ہو اور دنیا کے سامنے اسے اپنا فن کہہ کر پبلش کرتے ہو اور تمہاری یہ کمینگی تم میں غرور پیدا کر دیتی ہے۔" منصور نے رک کر کہا۔

"تمہیں شرم آنی چاہیئے، میاں صاحبزادے! خوبصورتی جہاں ہے وہیں اچھی ہے اسے وہیں رہنے دو، اگر تم اس سے متاثر ہوتے ہو تب بھی کوئی بری بات نہیں مگر جب تم تصویر بناتے ہو تو اس وقت تمہیں خاص احساس ہونا چاہیئے کوئی اچھوتی اور اعلیٰ چیز پیدا کرو تمہارے کندھوں پر ایک سر

ہے اور میرا خیال ہے کہ اس میں شاید ایک عدد ذہن بھی موجود ہے اور یہ ذہن کام نہیں کرتا اس کا مجھے قطعی یقین ہے، تم پوچھ سکتے ہو کیوں؟"
وہ رک گیا اور نجمی کی طرف دیکھ کر بولا۔
"تم اگر نہیں بھی پوچھتے تو بھی میں بتائے دیتا ہوں۔ دیکھو اگر تمہارا ذہن کام کرتا ہوتا تو تم وہ چہرے نہ بناتے جو تم دیکھتے ہو یہ مصوری تمہارے ذہن کی نہیں تمہاری نگاہ کی تخلیق ہے اور میاں! نگاہ پر کبھی بھروسہ نہ کرو بہت دھوکہ دیتی ہے ہمیشہ آنکھیں بند کر کے دیکھنے کی کوشش کیا کرو اور جب اس طرح کچھ نظر آنے لگے جو اس دنیا کے ماحول سے مختلف خوبصورت اور اچھوتے رنگوں کا مرقع ہو تو اسے بناؤ تمہاری وہ تصویر دنیا کے شاہکاروں میں گنی جائے گی" منصور نے آنکھیں بند کیں اور دایاں ہاتھ فضا میں بلند کرتے ہوئے کہا۔
"مبارک ہیں وہ لوگ جو ذہن سے دیکھتے ذہن سے بولتے اور ذہن سے چلتے ہیں اور وہ سدا زندہ رہیں گے اور غم و خوشی ان کی زندگی کی حدود کو کبھی نہ چھو سکے گی۔۔۔"
نجمی ان باتوں سے بیزار ہو چکا تھا اس لئے اس نے اکتا کر کہا۔۔۔

"بھئی پ چلو چلیں اب کافی دیر ہو گئی ہے"

"ہاں ہاں کیوں نہیں" منصور نے بیرے کو آواز دے کر کہا۔

ہم لورینگز سے نکلے اور منصور نے ہمیں لارنس کی سیر کی دعوت دی،

میں موڈ میں نہیں تھا، نجمی بھی اکتا سا گیا تھا مگر جانے اس کو کیا خیال آگیا وہ

پھر منصور کے ساتھ ہو لیا "FReemason" کی عمارت کے دائیں ہاتھ

یوکلپٹس کے درخت کو سلام کر کے منصور نے کہا۔

"دیکھو! یہ درخت دیکھا ہے تم نے ـــ آج سے تین ماہ قبل یہ اچھا

خاصا خوش شکل اور خوش پوشاک تھا اور آج بھی دیکھو یہ اس کا رنگ کتنا

زرد ہو گیا ہے اور دایاں بازو بھی زخمی ہے"

"مگر یہ ہوا کیسے؟" نجمی نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

منصور نے نجمی کو گھورا مجھے مسکرا کر دیکھا اور سرگوشی کے لہجے میں بولا

"یہ ایک راز ہے درخت کا راز ـــ میں یہ تمہیں نہیں بتا سکتا درخت

برا مان جائے گا اور ہو سکتا ہے کہ وہ آئندہ مجھ سے بات تک نہ کرے"

"تو گویا درخت آپ سے باتیں بھی کرتے ہیں؟" نجمی نے طنزیہ پوچھا

منصور نے قہقہہ ضبط کر کے کہا ـــ "نجمی میرے معصوم اور سادہ مفکر!

تم اس بات پر حیران کیوں ہو رہے ہو، خیر میں تمہیں بتائے دیتا ہوں سنو! آج سے دو ماہ پہلے ایک شام میں لورینگز سے چائے پی کر حسب دستور سیر کے لئے نکلا اور گورنمنٹ ہاؤس کے سامنے کی فٹ پاتھ سے گزر رہا تھا کہ اچانک ایک نوجوان بیٹر نے مجھے روک لیا ـــــ میں نے وجہ پوچھی۔ ـــــ تو وہ بے چارا بڑی اداس اور دھیمی آواز میں بولا ـــــ

"آپ کا نام؟"

"منصور"

"کیا کام کرتے ہیں آپ؟"

"جو بھی کرنا پڑ جائے"

"قہقہہ"

"قہقہہ"

"میرا ایک کام کریں گے؟"

"ارشاد"

"آپ انسان کو تو جانتے ہیں؟"

"دیکھا ہے"

"تعلقات نہیں؟"

"نہیں"

درخت خاموش ہو گیا شاید وہ میرے جواب سے مایوس ہو گیا اور مجھے ہلکی ہلکی سسکیوں کی آواز سنائی دی، میں ضبط نہ کر سکا اور میں نے ہمدردانہ لہجے میں کہا ——

"مگر آپ کہیئے وہ کام کیا ہے؟ میں تعلقات پیدا کر لوں گا۔"

"نوازش" درخت ایک دم خاموش اور خوش ہو گیا۔

"آپ کو زحمت تو ہو گی" درخت بولا "مجھے صرف انسان سے یہ کہنا ہے کہ وہ جو چاہے سو کرے، مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں مگر یہ راہ چلتے ہوئے اپنی خوشی اور غصے کا اظہار مجھ غریب کے پتے توڑ کر اور شاخیں جھنجھوڑ کر کیوں کرتا ہے ——" درخت خاموش ہو گیا اور میری طرف ملتجیانہ نظروں سے دیکھ کر بولا ——

"کیا آپ میرا یہ پیغام اس ظالم کیڑے تک پہنچا سکتے ہیں؟"

میں نے ہنس کر کہا ——

"برادرم! گستاخی معاف! یہ انسان کچھ عجیب سی شے ہے تم نے

اسے ظالم کیڑا کہا اس سے مجھے اختلاف ہے میری نظر میں یہ بیچارا مظلوم ہے۔ سب سے بڑا ظلم تو یہ ہے کہ یہ انسان ہے اور پھر جو نہیں وہ بننے کی کوشش میں سرگرداں ہے ـــ پھر بھی تم بے فکر رہو میں ہر ممکن کوشش کرونگا"

نوجوان پیپل خوش ہو گیا اور نجمی میاں! اس سے قریباً میری دو گھنٹے گفتگو جاری رہی، تمہیں مختصراً بتلائے دیتا ہوں وہ باتیں جو میں تمہیں بتاؤنگا وہ بالکل معمولی ہیں مگر تم نے چونکہ کبھی غور نہیں کیا اس لئے ہو سکتا ہے وہ تمہیں حیران کر دیں۔"

"تمہیں علم ہے درخت انسان کا ابتدا سے ساتھی ہے، اس نے زندگی کے ہر کٹھن مقام پر انسان کا ساتھ دیا اس کے آرام و آسائش کے لئے طرح طرح کی قربانیاں دی ہیں ابتدائی زمانے میں اس نے انسان کو پناہ دی اس کی زندگی کی حفاظت کی اس کے لئے خوراک مہیا کی اس کی بیماریوں کو دور کیا، اس کے لئے تیل ادویات اور کوئلہ نکالا ـــ

اس کے بعد مکانات تعمیر ہوئے وہاں بھی درخت نے دل کھول کر انسان کا ساتھ دیا، دیواریں، چھتیں دروازے اور کھڑکیاں کن کن صورتوں میں یہ نہیں ڈھلا، پھر فرنیچر کا دور آیا تو میز کرسی پلنگ اور تم جانتے ہو کہ یہ

کن کن صورتوں میں ڈھل گیا اور کہاں کہاں جلوہ افروز ہوا تھا۔ وکٹر
ہیوگو (VICTOR HUGO) نے درختوں سے متاثر ہو کر — LES
MISRIBLES" لکھی جس میں اس نے زندگی نام ہے دینے کا نہ کہ
لینے کا یعنی میرا مطلب ہے کہ "Life IS To give not To take"
کا نظریہ پیش کیا بھلا انسان بھی کبھی درخت بن سکتا ہے یہ نظریہ صرف درخت
کا ہے وہ پھل لاتا ہے مگر آدمی میں صبر کہاں کچے پھل پتھروں سے درخت کو
زخمی کر کے توڑ لیتا ہے حالانکہ وہ پھل صرف انسان کے لئے ہی ہوتے
ہیں انسان کی فطرت میں سب سے بڑا عنصر کمینگی کا ہے، حاصل کرنا ہی
اس کا مقصدِ حیات ہے "منصور ایک لمحہ کے لئے رکا اور پھر دھیمے لہجے
میں بولنے لگا۔

"میاں نجمی! جہاں درخت نہیں ہوتا ریگستان ہوتا ہے اس کی وجہ
ہے تمہاری زمین سرسبز اور زرخیز ہوتی ہے جہاں یہ ہو وہاں کی پیداوار
زیادہ ہوتی ہے اور پھر تمہارے پنجاب کا تمام تر دھان اس سے وابستہ
ہے پنجاب کی دوشیزائیں درخت کے سہارے پینگیں جھولتی ہیں بہار اور
خوشی کے گیت گاتی ہیں تمہاری تمام تر خوش بختی کا ذمہ دار صرف یہ ہے یہ

کن کن سازشوں میں رونما ہوا یہ تم فراموش نہیں کر سکتے ——— اور پھر کولمبس نے امریکہ دریافت کیا، کشتی کے سہارے اس کی یہ مہم کامیاب ہوئی اور کشتی کس کے سہارے کامیاب ہوتی ہے یہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔"

منصور کچھ دیر سوچنے کے بعد بولا ———

"اور ہاں! وہ ہیلن" Helen "مشہور حسین ملکہ اپنے خاوند " Henelaus" کو چھوڑ کر پیرس" Paris" کے ساتھ بھاگ گئی تھی اور انتقام کے لئے اس کا خاوند وسال ٹرائے" Tray" کے شہر میں گھسنے کی ناکام کوشش کرتا رہا اور آخر کار اس کو درخت نے سہارا دیا اور یولی سز" Olyssus" نے لکڑی کا گھوڑا بنایا اور اپنی فوجوں سمیت اس میں گھس گیا اور اس طرح وہ ٹرائے شہر میں گھسنے میں کامیاب ہو گیا۔ اسی طرح کی تمہیں ہزاروں مثالیں اور مل سکتی ہیں کاش تم تاریخ کا مطالعہ کر سکو ———

درخت کی عظمت کا احساس نہ ہونا کتنا دلشکن تصور ہے تم لوگ واقعی کتنے معصوم ہو ——— درخت!"

منصور نے آہ بھری اور پھر جوش سے بولا

"درخت کے دم سے تمہاری مملکتوں کے علم سر بلند ہیں ـــــ درخت!
شاعر کا قلمدان، فلسفی کا پائپ، مصور کی پلیٹ اور برش اور راگی کا ساز
ہے، درخت بادشاہ کا تخت اور بھکاری کا کشکول ہے ـــــ درخت
دلہن کی سیج اور فلمی برہمن کا آخری سہارا ہے ـــــ" منصور ایک درخت
سے ٹکر لیتے ٹکراتے بچا اس نے بڑی سنجیدگی سے درخت کو مسکرا کر
کہا "I am sorry" کہا کھانس کر مسکرایا اور ہم سے پھر مخاطب ہوا۔
"اور پھر تم لوگ درخت کو جامد سمجھتے ہو یہ متحرک نہیں یہ چل نہیں سکتا؟"
منصور نجمی کی طرف دیکھ کر بولا ـــــ
"میاں صاحبزادے! اسے گاڑی میں بیٹھے ہوئے دیکھو یہ تمہیں
دوڑتا ہوا نظر آئے گا ـــــ"
ایک لمحہ خاموشی رہی اور پھر منصور نے خوش ہو کر نجمی سے کہا۔
"نجمی! تم ہنس رہے ہو ـــــ ہنسو! مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر اس
کے ساتھ ساتھ تم اپنے دماغ سے بھی کام لو اور ایمانداری سے کہو ـــــ
یہ کہاں کا انصاف ہے تم لوگ اپنے غصے کا اظہار درخت کے معصوم اور
نوخیز پتے توڑ کر کرو اور اس کی خوبصورتی میں کمی پیدا کر دو"

میں نے نجمی کی طرف دیکھا وہ بے چارہ غالباً غصہ ضبط کرنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا منصور ابھی تک نجمی کے جواب کا منتظر تھا آخر میں نے کہا۔

"منصور! تم نے واقعی ٹھیک کہا ——— یہ تو واقعی ظلم ہے۔"

"ہم خوش ہوئے" منصور جوشِ مسرت سے سرگوشی میں بولا ———

"تم سمجھدار بچے ہو ——— اور میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ہم سے آئے دن استفادہ کرتے رہتے ہو، نجمی بہت بچہ ہے، یہ گو ہمیں آج پہلی بار ملا ہے مگر ہم نے اسے اچھی طرح جان لیا ہے، یہ ہماری باتوں کو سنجیدگی سے نہ سنتے ہوئے علم کی توہین کر رہا ہے ——— خیر کوئی مضائقہ نہیں اپنا اپنا مذاق ہے ———" وہ رک گیا اور میری طرف دیکھ کر بولا ———

"تم ——— میں دیکھ رہا ہوں آئے دن آگے بڑھ رہے ہو، تمہاری تحریر گو میں دیکھتا تو نہیں مگر سنتا ہوں کافی واہیات اور لبرلنگ ہوتی ہیں ان میں تم بقراطوں کا تذکرہ کرتے ہو، ہمارے لئے یہ بڑے امید افزا ہے، مبارک ہو! تم پرواہ نہ کرو تم ان لوگوں کی قطعاً کوئی پرواہ نہ کرو ——— آنے والی نسلوں پر بھروسہ رکھو جب تم ہیرو کہلاؤ گے ———" وہ رک کر پھر بولا ———

"ہماری بات چھوڑو ——— ہمیں ایک بات کا افسوس ہے کہ تم

اپنی تحریروں میں ہمارا نام دیتے ہو —— یہ بری بات ہے۔ شکسپیئر نے
کہا تھا "نام میں کیا دھرا ہے" وہ نادان تھا نام کے لئے اس نے عمر بھر
جھک ماری اگر اسے نام کا احساس نہ ہوتا تو وہ تمام حرکات کبھی نہ کرتا
جنہیں لوگ ادب کہتے ہیں۔"

دوسرے تم، ہم نے سنا ہے کہ ہمیں اپنا دوست کہتے ہو اور اس
کا اظہار تحریروں میں بھی کرتے ہو —— اس بات پر تمہیں شرم آنی چاہیئے
—— ہمیں اس درجہ بے تکلفی بالکل پسند نہیں —— دوست کے معنی میں
بیان نہیں کرنا چاہتا —— صرف تمہیں اتنا بتا دینا مناسب سمجھوں گا کہ تم
غلط فہمی میں مبتلا ہو ہم کسی کے دوست نہیں ہیں —— اس پر تم ہمیں اپنا
دشمن بھی تصور نہ کر لینا بس صرف یہ جانو کہ ہم تمہارے ملنے والے ہیں کیونکہ
تم میں ذہین بننے کی کچھ صلاحیتیں ہمیں نظر آتی ہیں —— اور یہ نجمی! یہ مصور
ہے —— خوبصورتی اور رنگوں کا غلام —— صرف بینائی کے سہارے
زندگی گذارنے والا ——

"نجمی!" منصور نے نجمی کو مخاطب کر کے کہا۔

"میاں صاحبزادے! اپنی زبان میں تم بھی خوب زندگی گذار رہے ہو۔"

تم سے ہم اس لئے خوش ہیں کہ تم لوگوں میں ہمارا ذکر نہیں کرو گے ہمیں اپنا دوست نہیں کہو گے ۔۔۔"

منصور رک گیا اور پھر گہری اور دبی آواز میں بولا ۔۔۔

"درخت! ایک عظیم شخصیت ہے، ہم اس سے متاثر ہوئے ہیں اس کے ہاں فکر ہے نگاہ ہے ایثار کا جذبہ ہے ۔۔۔"

یہ فقرہ کہہ کر منصور ایک بڑے درخت کے نیچے رک گیا۔

نجمی چونکہ بہت تنگ آچکا تھا اس لئے میں نے منصور سے نرمی اور ملائمت سے کہا۔

"منصور! ہمیں اب اجازت دو"

"اچھا! جاؤ مگر یاد رکھو ۔۔۔ دنیا میں چند باتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جنہیں یاد رکھا جاتا ہے" منصور نے آنکھیں بند کر کے ہمیں نصیحت کی۔

میں اور نجمی لمبے لمبے قدم اٹھاتے ہوئے منصور کو بہت پیچھے چھوڑ آئے فضا میں خاموشی کے باوجود ہلکی ہلکی سرسراہٹ تھی اور مجھے تو منصور کے قہقہوں کی آواز آرہی تھی نجمی کا خیال تھا کہ یہ وہم ہے۔

سٹریٹ لمپ

کردار

منصور —— آپ جانتے ہیں

جذبی —— پتلا دبلا اور حساس شاعر، کالج کا طالب علم، بات بات پر آہ بھرنا، ڈرنا، دل میں کچھ اور ہونٹوں پر کچھ، ڈرپوک اور ذہین نوجوان۔

نومبر کے آخری دنوں کی ایک سرد رات —— تقریباً گیارہ بجے کا وقت آبادی سے تھوڑی دور ایک طویل ویران سڑک کے کنارے اونگھتے ہوئے سٹریٹ لمپ سے ذرا ہٹ

کرسوکھے ہوئے گھاس پر قدموں کی چاپ۔

تھوڑی دیر بعد مختلف سمتوں سے دو شخص نمودار ہوتے ہیں ایک نے وزنی سا کالا چیسٹر پہنا ہوا ہے کالر گردن کو ڈھانپے ہوئے ہیں دوسرا نائٹ ڈریس کے اوپر ایک کمبل اوڑھے ہوئے ہے دونوں کے قدموں کی چاپ اچانک رک جاتی ہے۔

کالے چیسٹر والا۔ (چونک کر) کون؟

کمبل والا۔ (بلند آواز میں) کون؟

دونوں بڑھتے ہیں سٹریٹ لمپ کی ہلکی روشنی میں ایک دوسرے کو پہچان کر چیسٹر والا بلند آواز میں کہتا ہے ــــ

"ارے منصور ــــ تم!"

منصور۔ (کمبل سے ہاتھ نکال کر) ارے جذبی! کھو بئی تم کہاں؟

جذبی۔ (مسکرا کر) تم دیکھ تو رہے ہو۔

منصور۔ مگر اس وقت؟

جذبی۔ ہاں! یونہی گھومنے چلا آیا تھا ــــ اور تم؟

منصور۔ (کندھے ہلا کر) بس! بالکل تمہاری طرح ــــ میں بھی!

جذبی۔ (مسکراتے ہوئے) خوب!

منصور۔ اور کہو ــــ کیسی گذرتی ہے؟

جذبی۔ کیا؟

منصور۔ ارے یہی! زندگی وندگی ــــ اور کیا؟

جذبی۔ (آہ بھر کر) زندگی!

منصور۔ (لقمہ دے کر) ہاں بھئی زندگی۔

جذبی۔ (دھیمی آواز میں) زندگی! ایک طویل انتظار ہے۔

منصور۔ (حیرت سے) اچھا!

جذبی۔ (دور دیکھتے ہوئے) ہاں! ایک مکمل اور مسلسل انتظار۔

منصور۔ یہ تو شاعری ہوئی۔

جذبی۔ کاش تم سمجھ سکتے ــــ یہ رات، یہ سگریٹ۔ یہ امرٹ تاریکیاں اور یہ ماحول۔

منصور۔ کیا ہے یہ سب؟

جذبی۔ (آہ بھر کر) زندگی۔

منصور۔ (بگڑ کر) میں نہیں مانتا۔

جذبی - ہاں (وقفہ) کاش تم سمجھ سکتے ——

منصور - کاش میں تمہیں سمجھا سکتا۔

جذبی - (آہ بھر کر) رات خاموش ہے۔

منصور - بھئی تم ہی کوئی بات کرو۔

جذبی - (اسی انداز میں) وقت بیت رہا ہے۔

منصور - (چڑ کر) اور تمہیں بالکل احساس نہیں۔

جذبی - (سرگوشی میں) ہر طرف گہرا اندھیرا ہے۔

منصور - رات جو ٹھہری۔

جذبی - ہر شے اداس ہے۔

منصور - (طنزیہ) تمہاری طرح۔

جذبی - (گھبرا کر) جانے چاند کہاں ہے؟

منصور - کھو گیا ہے۔

جذبی - (اور گھبرا کر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے) آسمان پہ ایک ستارا بھی تو نہیں۔

منصور - سب ٹوٹ گئے ہیں۔

جذبی ۔ راہیں ویران ہیں۔

منصور ۔ اور مسدود بھی ہیں میاں۔

جذبی ۔ (ڈرتے ہوئے) میں اکیلا ہوں۔

منصور ۔ (جلدی سے) تم میرے پاس ہو — میرے ساتھ

جذبی ۔ تم کون ہو ؟

منصور ۔ میں منصور ہوں۔

جذبی ۔ (حیرانی سے) میں کون ہوں ؟

منصور ۔ تم ! (ہنستے ہوئے) تم سٹریٹ لمپ ہو۔

جذبی ۔ (حیران ہو کر) سٹریٹ لمپ ؟

منصور ۔ (زور سے) ہاں۔

جذبی ۔ (چڑ کر) وہ کیسے ؟

منصور ۔ تم بھی سر راہ نیم مردہ روشنی کے ساتھ اونگھ رہے ہو۔

جذبی ۔ مگر میرے ہر سمت اندھیرا ہے۔

منصور ۔ واقعات کے بھدے پتنگے تمہارے گرد چکر کاٹ رہے ہیں۔

جذبی ۔ مجھے معلوم نہیں۔

منصور۔ (بلند آواز میں) ہاں ـــــ اور تم میں اتنی تپش بھی تو نہیں کہ وہ جل سکیں۔

جذبی۔ (حیرت سے) میں جل رہا ہوں۔

منصور۔ نہیں! تم سلگ رہے ہو۔

جذبی۔ (چونک کر) کوئی آ رہا ہے۔

منصور۔ (اطمینان سے) مت دیکھو کوئی نہیں۔

جذبی۔ (دور دیکھتے ہوئے) شاید آہٹ ہوئی ہے۔

منصور۔ تمہارا وہم ہے۔

جذبی۔ (توجہ دلاتے ہوئے) غور سے سنو!

منصور۔ تمہارے کان بجتے ہیں۔

جذبی۔ وہ پھر آواز آئی۔

منصور۔ ہاں اب آواز آئی ہے۔

جذبی۔ (پھولے ہوئے سانس کے ساتھ) کوئی آ رہا ہے۔

منصور۔ (اطمینان سے) ہاں، کتا ہو گا۔

جذبی۔ (دیکھتے ہوئے) ہاں، کتا ہے۔

منصور۔ اکیلا ہوگا۔

جذبی۔ (مایوسی کے لہجے میں) ہاں۔

منصور۔ اور بھوکا بھی۔

جذبی۔ (نرمی سے) ہو سکتا ہے۔

منصور۔ (شرارت سے) اسے بلا لیں؟

جذبی۔ (یقین سے) وہ نہیں آئے گا۔

منصور۔ کیوں؟

جذبی۔ کیونکہ وہ دور چلا گیا ہے ——— (آہ بھر کر) بہت دور۔

منصور۔ میں نے کہا۔

جذبی۔ کہو!

منصور۔ تمہیں کتوں سے محبت ہے؟

جذبی۔ نہیں ——— اور تمہیں؟

منصور۔ مجھے ان کی چند باتیں پسند ہیں۔

جذبی۔ مثلاً۔

منصور۔ مثلاً کمینگی، ہوس، حسد، ——— (رکتا ہے)

جذبی۔ (اشتیاق سے) اور؟

منصور۔ اور بس!

جذبی۔ (حیرانی سے) اور ان کی وفاداری؟

منصور۔ یہاں کتا میری نظر سے گر جاتا ہے۔

جذبی۔ وہ کیوں؟ میں سمجھا نہیں۔

منصور۔ وفاداری کتے کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔

جذبی۔ وہ کیوں؟

منصور۔ وہ اس لئے کہ (رک کر) اس کی وفاداری اپنی قوم کے لئے نہیں۔

جذبی۔ (حیرانی سے) یہ قوم کیا ہوتی ہے؟

منصور۔ (مسکرا کر) تمہیں معلوم نہیں؟

جذبی۔ (معصومیت سے) نہیں۔

منصور۔ (ہنس کر) تم خوش قسمت ہو۔

جذبی۔ (مسکرا کر) اچھا؟

منصور۔ اور کیا۔

جذبی۔ (چونک کر) اوہ۔

منصور۔ کیا ہوا؟

جذبی۔ کچھ نہیں ــــ ذرا سردی محسوس ہو رہی ہے۔

منصور۔ ہاہاہا ــــ ہاہا ــــ ہاہاہا

جذبی۔ (حیرت سے) تم ہنسے تھے؟

منصور۔ نہیں! میں نے کوشش کی تھی۔

جذبی۔ مجھے افسوس ہے کہ تم کامیاب ہوئے۔

منصور۔ (شرما کر) معافی چاہتا ہوں۔

جذبی۔ ایک بات پوچھوں؟

منصور۔ پوچھ لو۔

جذبی۔ یہ سردی کیا ہوتی ہے؟

منصور۔ سردی؟

جذبی۔ (زور سے) ہاں ہاں بھئی ــــ سردی۔

منصور۔ ٹھنڈ، پالا اور کیا۔

جذبی۔ یہ مجھے بھی علم ہے ــــ مگر یہ کیا ہوتا ہے؟

منصور۔ بھئی (رک کر) سردی کئی قسم کی ہوتی ہے۔

جذبی ۔ مثلاً ۔
منصور ۔ تم ضرور جاننا چاہتے ہو ؟
جذبی ۔ کیا حرج ہے ۔
منصور ۔ (ٹالتے ہوئے) ارے یار ـــ ہٹاؤ، فائدہ بھی کیا ؟
جذبی ۔ (حلیمی سے) بتاؤ نا بھئی ۔
منصور ۔ (گھور کر) بتا دوں ؟
جذبی ۔ (نرمی سے) ہاں بھئی ـــ پلیز ۔
منصور ۔ (سوچتے ہوئے) تو سنو !
جذبی ۔ (اشتیاق سے) بالکل سن رہا ہوں ۔
منصور ۔ سردی کئی قسم کی ہوتی ہے ـــ مثلاً نگاہ کی سردی، وہ نگاہ جو بیگانہ ظاہر کرے، نا آشنا ہو، پھر سرد مہری ۔ جانتے ہوئے بھی بے تعلقی ظاہر کی جائے اور پھر ـــ (رکتا ہے)
جذبی ۔ (جلدی سے) ہاں ہاں کہو ۔
منصور ۔ اور بھئی ـــ پھر یہ مفلسی ـــ یہ بھی سرد ہوتی ہے، اور یہ اپنی تنہائی ـــ یہ بھی کافی برفانی موسم ہے اور اسی طرح کوئی لاکھ قسمیں

ہیں ــــ اب تمہیں کیا بتاؤں۔

جذبی۔ (کھوئے ہوئے) ہوں۔

منصور۔ تم کچھ تو سمجھ گئے نا؟

جذبی۔ ہاں ــــ کچھ تو (رکتا ہے)

منصور۔ (بات جاری رکھتے ہوئے) سردی کی سب سے بڑی وجہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں، تم عوام کے لئے عورت ہوتی ہے۔

جذبی۔ عورت (چڑکر) عجیب بات ہے۔

منصور۔ (شرماکر) بھئی کوئی عجیب نہیں۔ حقیقت تو یہی ہے تم فانی انسان اسی وجہ سے سردی محسوس کرتے ہو، البتہ جینئیس کی اور بات ہے۔ سردی کی تشریح اس سے بہتر اور نہیں ــــ اب بھی اگر تم نہ سمجھے تو ــــ

جذبی۔ (بات کاٹ کر) تمہاری بدقسمتی ہے، یہی کہنا ہے نا تمہیں۔ یا اور کچھ؟

منصور۔ نہیں یہ بات نہیں۔

جذبی۔ اور کیا؟

منصور۔ خیر! چھوڑو اس بات کو۔
جذبی۔ اور کر ہی کیا سکتے ہو؟
منصور۔ ویسے صاحبزادے! یہ عورت ہے خوب چیز۔
جذبی۔ خاک چیز ہے۔
منصور۔ ارے! تم اتنے قنوطی کیوں ہو؟
جذبی۔ (جل کر) تو اور کیا؟ دل پھینک بن جاؤں۔
منصور۔ (حیرت سے) میں نے یہ کب کہا ہے۔
جذبی۔ اور؟
منصور۔ (نرمی سے) بھئی تمہیں اس بات میں کوئی دلچسپی نہیں؟
جذبی۔ (تن کر) بالکل نہیں!
منصور۔ (حیرانی سے) تو گویا تم نے کبھی عشق نہیں کیا؟
جذبی۔ (اسی انداز میں) میرے پاس اتنا فضول وقت ہی نہیں۔
منصور۔ (جلدی سے) تم جینئس ہو۔
جذبی۔ (طنزیہ) ہوں۔
منصور۔ میاں! تمہاری سائیکولوجی بھی عجیب ہے۔

جذبی۔ کیا مطلب؟

منصور۔ تمہاری نفسیات۔

جذبی۔ (جل کر) اگر تم یہ نفسیات کہاں سے گھسیٹ لائے۔

منصور۔ تمہاری ذہنی الجھنوں پر غور کر رہا ہوں۔

جذبی۔ (غصے میں) منصور! تم مجھے اس قسم کی گھٹیا چیز ہو کہ میں تمہیں چند بھی تو نہیں کہہ سکتا، (دانت پیس کر) تم ——— (رکتا ہے)

منصور۔ ہاہا ——— ہاہاہا ——— ہا۔

جذبی۔ گویا تم خوش ہوئے؟

منصور۔ تو کیا ناراض ہو جاؤں؟

جذبی۔ (بلند آواز میں) یقیناً! تمہیں خوددار ہونا چاہیئے۔

منصور۔ (ہنس کر) عقلمند جہالت پر صرف ہنس سکتا ہے۔ میں جینئیس ہوں۔

جذبی۔ لعنت ہے ایسی عقلمندی پر۔

منصور۔ (ٹالتے ہوئے) خیر چھوڑو ——— اچھا بتاؤ کہ تم ———

جذبی۔ یہ تم آج بڑی سخاوت کے موڈ میں ہو (رک کر) ہر چیز یوں چھوڑے چلے جا رہے ہو ——— مجھے تمہاری یہ فضول خرچی قطعی ناپسند ہے (غصے میں)

بڑی بات ہے۔

منصور۔ تو اور کیا کروں؟ (رک کر) لڑنے کی تو مجھ میں ہمت نہیں۔

جذبی۔ (لقمہ دیتے ہوئے) کیونکہ تم جینیئس ہو۔

منصور۔ (یقین سے) بالکل۔

جذبی۔ (غصے میں) اف! اب میرے پاس اس قدر لعنتیں بھی تو نہیں منصور — کہ تمہیں پیش کرتا جاؤں۔

منصور۔ تم اعلیٰ قسم کے بخیل ہو۔

جذبی۔ خیر! یونہی سمجھ لو۔

منصور۔ کاش تم کو میں نہ سمجھ سکتا۔

جذبی۔ گویا تم مجھے سمجھتے ہو؟

منصور۔ (ہنس کر) اچھی طرح۔

جذبی۔ (سوچتے ہوئے) میں بہت آسان ہوں؟

منصور۔ لڑکی سے بھی زیادہ۔

جذبی۔ (معصومیت سے) وہ بھی آسان ہوتی ہے؟

منصور۔ بے حد!

جذبی۔ (چونک کر) کوئی آرہا ہے۔
منصور۔ (جذبی کو غور سے دیکھتے ہوئے) تمہیں کسی کا انتظار ہے؟
جذبی۔ (گھبرا کر) نہیں۔
منصور۔ پھر یہ تم چونک کیوں جاتے ہو؟
جذبی۔ یونہی۔
منصور۔ (زور سے) دیکھو! جھوٹ مت بولو۔
جذبی۔ سچ بتاؤں (رک کر) اگر کہو تو؟
منصور۔ ہاں کہو۔
جذبی۔ تو سنو! (دھیمے لہجے میں) بات یہ ہے کہ مجھے آہٹ سے ڈر محسوس ہوتا ہے۔
منصور۔ ہا۔۔۔ ہاہا۔۔۔ چہ خوب!
جذبی۔ (ضد کرتے ہوئے) میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔
منصور۔ ہاں ہاں! تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔
جذبی۔ (مچل کر) اور کیا نہیں تو۔
منصور۔ بکو مت اور بنو مت۔

جذبی ۔ (رونی آواز میں) میں سچ کہہ رہا ہوں تم تو ——
منصور ۔ (ٹوک کر غصے میں) تو میاں صاحبزادے قبلہ جناب غلام حسین جذبی صاحب. آپ گویا اس ویران جگہ پہ آدھی رات گئے، ڈرنے کا پروگرام بنا کر تشریف لائے تھے۔
جذبی ۔ (گھبرا کر) میں اصل میں کسی ——
منصور ۔ (اشتیاق سے) ہاں ہاں کسی ؟
جذبی ۔ کسی خاص وجہ سے نہیں آیا تھا ؟
منصور ۔ تو پھر ؟
جذبی ۔ (نرمی سے) میں یونہی گھومنے چلا آیا تھا۔
منصور ۔ مگر اس ویرانے میں ؟
جذبی ۔ ہاں ! مجھے پر ہجوم جگہوں سے نفرت ہے ۔
منصور ۔ (چڑ کر) اور ویرانوں سے ڈر آتا ہے ۔
جذبی ۔ میں نے یہ کب کہا ہے ۔
منصور ۔ (غصے میں) اور کیا کہا ہے ؟
جذبی ۔ (آہستہ سے) میں کہہ رہا تھا کہ آہٹ سے مجھے ڈر محسوس ہوتا ہے

منصور۔ کیوں! تم چور ہو؟

جذبی۔ یہ بات نہیں۔

منصور۔ تمہیں کوئی احساس جرم ضرور ہے۔

جذبی۔ نہیں ـــــ یونہی میں ڈرتا ہوں کہ لوگوں نے کہیں اسے بھی ناپاک نہ کر دیا ہو۔

منصور۔ ناپاک! (یہ لفظ منصور کے حلق سے نکلتا ہے)

جذبی۔ ہاں! تمہیں معلوم نہیں ـــــ اُلّو میری نگاہ میں بڑا درجہ رکھتا ہے۔

منصور۔ (چیخ کر) اُلّو؟

جذبی۔ ہاں بھئی اُلّو۔

منصور۔ وہ کیوں؟

جذبی۔ وہ اس لئے کہ وہ ایک غیر معمولی انفرادیت کا مالک ہے اس کا اپنا (School of Thought) ہے اس کے ذوق کا خاص معیار ہے۔

منصور۔ (کچھ نہ سمجھتے ہوئے) مطلب؟

جذبی۔ مطلب یہ کہ اس کو احساس تنہائی نہیں۔ یہ جلوت کا شائق نہیں دُرک کر

جہاں کوئی نہیں ہوگا وہاں الو ضرور ہوگا۔

منصور۔ (ہنس کر) بس بس! میں تمہارا قائل ہوگیا۔

جذبی۔ میرا یا الو کا۔

منصور۔ (نرمی سے) فرق تو کوئی نہیں۔

(سرسراہٹ ہوتی ہے)

جذبی۔ (چونک کر) کوئی آرہا ہے۔

منصور۔ ہاں (چونکتا ہے ـــــ اور پھر کلائی پر وقت دیکھتا ہے)

جذبی۔ منصور! تمہیں کسی کا انتظار ہے؟

منصور۔ نہیں تو۔

جذبی۔ پھر تم یہ ایڑیاں اٹھا اٹھا کر کیا دیکھ رہے ہو؟

منصور۔ کچھ نہیں۔

جذبی۔ کچھ تو دیکھ رہے ہو۔

منصور۔ ہاں! یہی دیکھ رہا ہوں کہ اتنی رات گئے اس وقت یہاں کون؟

جذبی۔ کیوں؟

منصور۔ یہاں اس وقت کوئی انسان تو آنے سے رہا۔

جذبی۔ (بیٹھ کر) اچھا؟

منصور۔ اور کیا ——— مگر تم بیٹھ کیوں گئے ہو؟

جذبی۔ کیوں؟

منصور۔ کیا رات یہیں بسر کرو گے؟

جذبی۔ (آہستہ سے) تمہیں کوئی اعتراض؟

منصور۔ (نرمی سے) ارے کیا مجال ہے میری ——— مگر بغیر کسی مقصد کے ——— آخر کیوں؟

جذبی۔ (چڑ کر) اور تم جو اتنا وقت یہاں گذار چکے ہو اس کا کیا مقصد تھا؟

منصور۔ (ہنس کر) بتا دوں؟

جذبی۔ (زور سے) کیوں نہیں۔

منصور۔ میں اصل میں کسی کا منتظر تھا۔

جذبی۔ (تقریباً چیخ کر) منتظر ——— مگر کس کے؟

منصور۔ لونڈیا کا۔

جذبی۔ لاحول ولاقوۃ۔

دھیرے کہتا ہے۔

وقت بیت رہا ہے ـــــ وقت بیت چکا ہے اور ـــــ

اور وہ ذلیل بھکارن ـــــ ابھی تک ـــــ ہا ہا ہا ـــــ ہا ہا۔

جذبی قہقہہ لگاتا ہے اور پھر ڈر کے غور سے سٹریٹ لمپ کی طرف دیکھتا ہے، اور اسے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے سٹریٹ لمپ کہہ رہا ہو۔

صاحبزادے! جاؤ آرام کرو، آرام کرو، آرام کرو ـــــ شب بخیر ـــــ شب بخیر ـــــ شب بخیر!

جذبی خوف سے ملی جلی آواز میں زور سے للکارتا ہے۔

جذبی۔ منصور! منصور!

منصور۔ (دور سے) آجاؤ برخوردار ـــــ میں بڑی دیر سے تمہاری آواز کا منتظر کھڑا ہوں۔

جذبی بھاگ کر منصور سے جاملتا ہے اور وہ دونوں دور درختوں کی تاریکی میں غائب ہو جاتے ہیں۔

منصور۔ مگر اب وہ نہیں آئے گی۔

جذبی۔ (گھبرائے ہوئے) کون تھی وہ؟

منصور۔ تمہیں کیا — تمہیں تو ان چیزوں سے کوئی دلچسپی ہی نہیں۔

جذبی۔ مگر (رک کر) اچھا!

منصور۔ بھئی جذبی! ویسے وہ اس قابل بھی نہیں کہ تمہیں بتایا جا سکے

جذبی۔ (سوچتے ہوئے) اچھا!

منصور۔ اچھا صاحبزادے! ہم تو گئے — (رک کر) شب بخیر!

جذبی۔ (دبے لہجے میں) شب بخیر!

(منصور کے جانے کی آواز آتی ہے، اور وہ دھیرے دھیرے گنگناتا ہوا جا رہا ہے۔ غضب کیا تیرے وعدے — غضب کیا تیرے تیرے وعدے پہ اعتبار۔ آواز دور ہو کر فیڈ ہو جاتی ہے۔

(وقفہ)

جذبی کرب انگیز حالت میں سوکھی ہوئی گھاس پر ادھر ادھر چلتا ہے، قدموں کی آواز سے ظاہر ہوتا ہے کہ سخت ذہنی الجھن میں مبتلا ہے، پھر دھیرے

پانی نے کہا

کردار ـــــــ

درخت ـ پیپل کا بوڑھا درخت ـ آہستہ آہستہ اور شفیقانہ
انداز میں گفتگو کرتا ہے ـ

سانپ ـ سرگوشی میں کبھی جلدی جلدی کبھی رک رک کر بات
کرتا ہے ـ

پانی ـ سیلاب کا پانی ـ قہقہے لگاتا ہنستا، اور ہر بات یوں
کرتا ہے ـ جیسے راز بتا رہا ہے ـ

کوّا ـ بلند آواز میں قہقہوں کے ساتھ بولتا ہے ـ بلکہ بولتا

کم اور شور زیادہ کرتا ہے۔

سنگ میل ۔ کم گو۔ خاموش اور اداس۔ آہستہ آہستہ بات کرتا ہے۔

کتا ۔ آواز میں عزم اور وقار ہے۔ فریادی سا لہجہ۔

منصور ۔ جیسے آپ جانتے ہیں۔

گرینڈ ٹرنک روڈ پر دریائے راوی سے ایک میل پرے ایک بوڑھا پیپل کا درخت نیند میں اونگھ رہا ہے۔ اس کی دائیں جانب کی شاخ پر ایک کوا کسی گہری سوچ میں مگن ہے۔ اور پیپل کے بائیں ہاتھ سنگِ میل ایک ہوشیار چوکیدار کی طرح بیدار کھڑا ہے۔ اور درخت کے نیچے منصور بیٹھا گنگنا رہا ہے۔

سنگِ میل ۔ آج سڑک بہت ویران ہے۔

پیپل ۔ ہاں، آں — غنودگی میں، کیا کہا؟

منصور ۔ تم سو رہو میں جواب دے دیتا ہوں۔

پیپل ۔ سائیں سائیں، مگر کیا بات ہے۔

منصور۔ وہ سنگِ میل کہتا ہے کہ آج سڑک ویران ہے۔

پیپل۔ سائیں سائیں! واقعی ——— آج ——— ج سڑ ——— ک۔ (اونگھتا ہے)

سنگِ میل۔ (حیرانی سے) تم کون ہو؟

منصور۔ منصور۔

سنگِ میل۔ مسافر ہو؟

منصور۔ نہیں!

سنگِ میل۔ پھر یہاں کیوں بیٹھے ہو؟

منصور۔ تمہیں کوئی اعتراض ہے؟

سنگِ میل۔ نہیں یونہی پوچھا تھا۔

منصور۔ فضول گفتگو سے پرہیز کرو۔

سنگِ میل۔ (چڑ کر) یہ فضول گفتگو نہیں۔

منصور۔ پھر؟

سنگِ میل۔ رات کے ساڑھے تین بجے ہیں۔ اور تم یہاں فضول وقت ضائع کر رہے ہو رک کر، گھر جاؤ۔

منصور۔ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں ——— فضول وقت ضائع کر رہا ہوں

سنگِ میل۔ تو پھر کیا کر رہے ہو؟

منصور۔ میں ۔۔۔ میں! (رک کر) میں پیپل کی زندگی پر کتاب لکھ رہا ہوں۔

سنگِ میل۔ وہ کیا؟

منصور۔ سوانح حیات ۔۔۔ اس کی زندگی کے حالات۔

کوّا۔ (اکتا کر) یہ تم لوگوں نے کیا کائیں کائیں لگا رکھی ۔۔۔ (رک کر) سو کیوں نہیں جاتے؟

منصور۔ نیند نہیں آتی!

سنگِ میل۔ اور مجھے فرض کا احساس ہے۔ اس لئے سو نہیں سکتا۔

کوّا۔ (التجا سے) مگر مجھے تو سونے دو۔ اور اگر بولنا ہی ہے تو آہستہ بات کرو۔

سنگِ میل۔ (ان سنی کر کے) تو منصور صاحب! آپ سوانح حیات لکھ کر کیا کریں گے؟

منصور۔ لوگوں کے علم میں اضافہ

سنگِ میل۔ پھر کیا ہو گا؟

منصور۔ پھر لوگ درخت کو وہ نہیں سمجھیں گے۔ جو اب سمجھتے ہیں۔

سنگِ میل۔ پھر؟

منصور۔ پھر یہ کہ انسان اور درخت کے تعلقات خوشگوار ہو جائیں گے

سنگِ میل۔ (لمبا سا نفس لے کر) اچھا! (رک کر) کاش!

منصور۔ کاش کیا؟

سنگِ میل۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ میری سوانح حیات بھی لکھیں؟

منصور۔ نہیں!

سنگِ میل۔ کیوں؟

منصور۔ اس لئے کہ آجکل میں مصروف ہوں!

سنگِ میل۔ اس کے بعد سہی.

منصور۔ مگر جب تک میں ایک کام ختم نہیں کر لیتا۔۔۔ دوسرے کے متعلق کبھی نہیں سوچتا۔

سنگِ میل۔ (آہ بھر کر) پھر جانیں آپ ملیں یا نہ ملیں۔

منصور۔ خود اعتمادی ہونی چاہیئے۔

کوّا۔ ہاں "کاکا" میاں! سیلاب!

منصور - (ڈر کر) سیلاب!

سنگ میل۔ ہاں دیکھو! پانی ابھی آجائے گا، تم ادھر میرے اوپر آجاؤ!

پیپل۔ شائیں ہائیں ــــ شائیں شاں شاں، نہیں نہیں پانی زیادہ ہے ــــ اور پھر منصور میرا مہمان ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا ــــ (رک کر) یہاں آجاؤ ــــ اوپر ــــ میرے بائیں ــــ شائیں شائیں۔

منصور۔ آتا ہوں (درخت پر چڑھتا ہے)

پیپل۔ آہستہ سے) ــــ ہاں! اطمینان کے ساتھ چڑھو ــــ! (ذرا بلند آواز میں) ارے! سائیں شائیں۔ دیکھو تم تو میری انگلی توڑے ڈالتے ہو۔

منصور۔ معاف کرنا۔ اندھیرا تھا۔ دکھائی نہیں دیتا۔

کوا۔ کائیں ــــ کاکا، کا ــــ ہاہاہا ــــ ادھر چڑھو۔ یہاں پاؤں رکھو ــــ ہاں یہاں ــــ یہ کائیں ــــ کائیں اب ٹھیک ہے

پیپل۔ یوں کیوں بیٹھے ہو؟ ــــ (رک کر) اطمینان سے بیٹھو۔

کوا۔ کاکاکا ــــ ہاہا ــــ کاکا، اب ٹھیک ہے۔

منصور۔ وہ آرہا ہے پانی ــــ کتنی تیزی سے آرہا ہے۔

سنگِ میل۔ ہاں! بھاگا آ رہا ہے۔

پیپل۔ (آہستہ سے) بہت دنوں بعد یہ آیا ہے۔

(پانی کی آواز)

پانی۔ گڑ گڑ — گڑ رڑ رر — آڑ گڑ — گڑ رڑ ر — دے
دے — گڑ گڑ آڑ گڑ — ڈر — ٹخ ٹخ — چپ چپ
چپ — چک گڑ — چک گڑ — گڑ اڑ — گ گ ڈڑ

سنگِ میل۔ کہو میاں! کدھر آ گئے بھولے سے؟

پانی۔ گڑ گڑ — ڑ ڑ — چپ — چا، کیا بتاؤں۔ اکیلی جان
لاکھوں کام ہوتے ہیں — ادھر جا ادھر جا، وقت ہی کہاں ملتا
ہے!

کوّا۔ کائیں کائیں — کا کا — ہا ہا — بڑوں کی باتیں ہیں۔

پانی۔ گڑ گڑ — اڑ — اس میں برائی کیا تم تو مزے میں ہو — ادھر
ادھر اڑتے پھرتے ہو، آزاد ہو — جہاں جی چاہا — پرواز
کر گئے (رک کر سنگِ میل سے) تم بھی اچھے ہو — اپنے ایک
جگہ جمے کھڑے ہو۔ مفت میں ادھر ادھر مارا مارا نہیں پھرنا پڑتا

ایک جگہ اپنا کام کر رہے ہو۔

کوّا۔ کا کا کا ــــ ہاں ہاں، ہاں جی ــــ مسافروں کو راستہ دکھاتا ہے۔

پانی۔ (آہ بھر کر) آہ ــــ گڑے ــــ اور مجھے دیکھو، کتنا سخت کام ہے ــــ بخارات سے بادل، وہاں سے جنم لے کر نہریں پھر دریا ــــ دریا سے پھر چھوٹی چھوٹی راہوں سے ہوتے ہوئے کھیتوں تک پہنچتا ہوں۔ اسے شاداب کرنا ہے۔ اسے سرسبز کرنا ہے ــــ اکیلی جان اور لاکھوں کام ــــ اور زندگی میں کبھی موج آئی ــــ تو اپنی راہیں بدل لیں۔ وہ بھی جب مہمان زیادہ آ جائیں اور اصرار کریں۔ پچھلے کچھ دنوں سے ہم تمام یکجا ہو گئے۔ تو سوچا، چلیں ــــ ذرا پکنک ہی ہو جائے۔

منصور۔ (حیران ہو کر) پکنک۔

پانی۔ (حیران ہو کر) یہ کون ہے؟

پیپل۔ میرا مہمان ــــ اس کا نام منصور ہے یہ جینئس ہے۔

پانی۔ اداو ــــ ہوہو، ارارے۔ او! اچھا!

کوّا۔ کاکاہا ـــ ہاں! تم پک نک کیا کہہ رہے تھے؟

سنگِ میل۔ بھئی یہی سیر دیر ـــ اور کیا؟

پانی۔ یہ انسان ـــ چھٹی اور تہوار کے موقعوں پر گروہوں اور پارٹیوں میں تقسیم ہو کر سیر کی غرض سے میرے قریب آتے ہیں۔ کشتیوں میں بیٹھ کر میرے سینے پر تیرتے اور بہتے ہیں۔ میں ان کی خوشی میں میزبان کی حیثیت سے ہر طرح کا اضافہ کرتا ہوں۔ (رک کر) ہوں ارگرد اوارا ـــ مگر یہ لوگ اچھے نہیں!

منصور۔ کمینے کہو ـــ کمینے!

پانی۔ ہاں! اور احسان فراموش! یہ اپنے گندے، داغدار اور پھوڑے پھنسیوں والے وجود سے میری پاکیزگی، اور اجلاپن تباہ کرتے ہیں ـــ مگر میں ـــ میں یہ سب برداشت کرتا ہوں (رک کر) ہاں البتہ ـــ یہ جینئس اور شاعر لوگ مجھے بہت پسند ہیں۔ یہ بہت اچھے ہوتے ہیں میرے پاس آکر لطف اٹھاتے ہیں۔ قریب کھڑے ہو کر میرے سینے پر شفق کا عکس اور چاندنی کا رقص دیکھتے ہیں اور دل ہی دل میں مسرور ہوتے ہیں۔ انہوں نے مجھے کبھی تکلیف

نہیں جی —— جانے یہ اتنے شرمیلے کیوں ہیں؟ آہ! ارار گرڈ اڑ گا آٹر

—— اور دوسری طرف وہ پیار کرنے والے ان کی سنیئے منصور صاحب

—— (رکتا ہے)

منصور - ہاں ہاں کہو ——!

پانی - یہ لوگ بھولی بھالی پیاری اور معصوم لڑکیوں کو بہلا پھسلا کر میرے کنارے آتے ہیں - اور ان سے بڑی بلند اور شاعرانہ قسم کی حفظ کی ہوئی باتیں کرتے ہیں - اور یہ سلسلہ کچھ اس انداز میں ختم ہوتا ہے - کہ وہ لڑکیاں تنگ آ کر دنیا سے کنارا کشی اختیار کر کے ہماری گہرائیوں میں گم ہو جاتی ہیں —— (رک کر) انسان بہت برا ہے -

کوّا - کا کا کا —— ہاہا —— کاں —— ہاں جی! انسان برا بھی ہے اور جھوٹا بھی - مجھ پر اس نے ہزاروں الزام لگائے ہیں - یہ ہماری نیت خراب بتاتا ہے - کا کا ہا ہا، اور جانے کیا کیا الزام گھڑ رکھے ہیں - وہ ایک واقعہ - ہماری تاریخ میں کوئی ایسا واقعہ نہیں - کہ کسی لومڑی نے ہمارے آبا و اجداد کی تعریف کر کے روٹی کھالی ہو —— یہ سراسر بہتان ہے —— خوشامد صرف انسان ہی کرنا جانتا ہے کا کا - ہاہا،

ہاں۔

منصور۔ ہاہا ـــــ انسان ـــــ ارے سانپ۔

کوّا۔ کائیں کائیں ـــــ کاں ـــــ ہاں! سانپ، اُف، کتنے سانپ ہیں۔

سنگِ میل۔ پانی بڑھ رہا ہے۔ اچھا بھئی ـــــ میں آپ سے معافی چاہتا ہوں ـــــ میں تو اب چھپنے والا ہوں ـــــ پھر ملیں گے ـــــ یہ پانی میں سانپ کتنے ہیں ـــــ پانی میں ـــــ س ـــــ ا ـــــ سا،

(ڈوب جاتا ہے)

پیپل۔ میرے گھٹنوں تک پانی آچکا ہے۔ مگر ابھی یہ اور اونچا آئے گا۔

کوّا۔ کاں کاں ـــــ ہاں اور آئے گا۔ اگر یہ تمہاری کمر تک آگیا تو غم نہیں ـــــ میں تمہارے کندھوں پر بیٹھا ہوں۔ اگر یہ تمہارے کندھوں تک آئے گا۔ تو میں تمہارے سر پہ بیٹھ جاؤں گا ـــــ مگر کاں ـــــ کاں ـــــ منصور کا کیا ہوگا ـــــ کا کا، ہاہا۔

پیپل۔ (رعب سے) منصور کو میں نے پناہ دی ہے ـــــ اس کی زندگی کا میں ذمہ دار ہوں۔ میں انسان کی حفاظت کر چکا ہوں۔ بہت

پہلے اور میرے لئے یہ فن۔

منصور۔ ٹھہرو (بات کاٹ کر) یہ بات بھی مجھے لکھ لینے دو۔ مگر میری قلم —— اچھا (رک کر) مجھے یاد رہے گی۔

پیپل۔ تم یہ کاغذات گرا دو گے۔ اور مجھے دوبارہ وہ باتیں یاد نہیں آئیں گی۔ جو میں تمہیں لکھا چکا ہوں —— ان کو میری جیب میں رکھ دو —— یہ ادھر —— اوپر کی جیب میں۔

منصور۔ (پھٹی ہوئی شاخ میں کاغذ رکھ کر) اب ٹھیک ہے میں اطمینان سے بیٹھ سکتا ہوں۔

کوا۔ کائیں کائیں —— ارے سانپ! کالا ناگ!

سانپ۔ ہی سی —— سی سی چھی شی شی —— ہی ہیں ——

پیپل۔ آجاؤ۔ میرے ساتھ لپٹ جاؤ۔

کوا۔ کا کا، یہ کیا، ارے منصور کو ڈس لے گا۔

پیپل۔ نہیں نہیں۔

سانپ۔ سو سو —— شی شی —— یہ منصور —— شوشش چھی چھی —— یہ کون ہے؟

پیپل۔ میرا دوست۔

کوّا۔ کا کا، ہا ہا ہا، کاں! ہاں! ہمارا دوست!

سانپ۔ انسان معلوم ہوتا ہے۔ چھی سشی سی۔

منصور۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں ــــ میری صرف شکل انسان سے ملتی ہے ــــ ہاں!

کوّا۔ ہاں ہاں ــ کا کا ــ کاں ــــ ہاں!

منصور۔ سانپ مجھے کیوں کاٹے گا ــــ میں نے کبھی سانپ کو نہیں مارا

سانپ۔ ہاں! ہم کبھی پہل نہیں کرتے ــــ انسان ہمیں پہلے مارتا ہے اور کہتا ہے کہ زندگی قائم رکھنے کے لئے ہم سانپ کی دوائیاں اور جانے کیا کیا تیار کرتے ہیں ــــ انسان افضل ہے اس کو یہ حق پہنچتا ہے۔ ہی ہی سی ہی چھی سشی ــــ اور ڈرک کر) اسے یہ علم نہیں ــــ ہماری مادہ کو انسانی کھوپڑی بہت مرغوب ہے وہ کہتی ہے میں کھوپڑی میں اچھی طرح انڈے سے اور سہہ سکتی ہوں۔ ہی ہی سشی سی۔ مگر (رک کر) ہم پھر بھی پہل نہیں کرتے۔ ہی ہی سی سی چھی سشی! انسان! بڑا زہریلا کیڑا ہے۔

کوّا - کاکا! ہاہاہا ـــــ کاں ہاں!

پانی - ارار ـــــ غرغراڑاڑ ڈب ڈب گرٹ ـــــ گڈاڑار (بڑھتا ہے)

پیپل - کہو بھئی! کہاں تک جانے کا ارادہ ہے؟

پانی - دور تک ـــــ جہاں تک جاسکوں۔

سانپ - آ کہاں سے رہے ہو؟

پانی - ارررار - غرغر ـــــ بہت دور سے ـــــ میں تمہیں پرسوں کی بات سناتا ہوں (رک کر) منصور!

منصور - ہاں بھئی ـــــ کہو ـــــ کیا بات ہے؟

پانی - انسان کی بات سنو ـــــ پرسوں میں یہاں سے تیس میل دور ایک نہر میں تھا - وہاں کے گاؤں کا زمیندار عجیب ہے اس نے ایک کسان کی بیوی کو قابو میں کرنے کے لئے اس کے خاوند کو مار کر مجھ میں گرا دیا - اس نہر میں جہاں میں تھا دوسرے دن جب گاؤں والوں نے لاش ڈھونڈی ـــــ تو اس ذلیل انسان نے اپنا الزام میرے سر تھوپ دیا - کاش! میں بتا سکتا ـــــ (رک کر) میں تو نادم ہو کر وہاں سے چلا آیا -

سانپ۔ ارے! تم مجھ سے کل کی بات سنو ۔ تمہیں تو شاید علم ہی ہو گا۔

پانی۔ کیا؟

سانپ۔ یہ ساتھ یہاں سے دو میل پرے ایک زمیندار نے جب پانی بڑھتا دیکھا۔ تو اپنے ملازموں کو لائن میں کھڑا کر کے جھکا دیا۔ اور ان کی پشت پر پاؤں رکھتا ہوا خشکی کی طرف بڑھا۔ ایک غریب مزدور ــــ اس کا بوجھ برداشت نہ کر سکا۔ اور دب کر ڈوب گیا اور جان بحق ہوا ــــ زمینڈار صاحب کے کپڑے خراب ہو گئے۔ ــــ بس پھر انہوں نے جو گالیاں دی ہیں ــــ مردود ــــ نمک حرام ــــ کام چور ــــ کمینے ــــ حرامزادے۔ یہ ذلیل غریب لوگ۔ مرتے مرتے بھی نقصان پہنچا جاتے ہیں۔ سی سی بشی چھی سی ــــ سنا تم نے،

منصور۔ ہاں!

پیپل۔ وقت وقت کی بات ہے۔ پہلے انسان ایسا نہ تھا۔

کوا۔ کا کا ہا ــــ کان میں منے تو اسے ہمیشہ ایسا ہی دیکھا ہے۔

پیپل۔ تمہاری عمر ہی کیا ہے!

پانی۔ ہاں! انسان کبھی بہت اچھا ہوتا تھا ــــ میں نے بھی دیکھا ہے ــــ کہ انسان نے میرا رخ بدل دیا۔ مجھ پہ چل کر دوسرے کنارے اتر گیا ــــ (رک کر) وہ زمانہ جب انسان میرے ہاں ٹھہرتا تھا۔ میرے لباس پہنتا تھا وہ پرانا اور حسین زمانہ ــ

سانپ۔ میں بھی انسان کے ہاتھ کا عصا رہ چکا ہوں۔ واقعی۔ وہ بھلا وقت تھا۔

منصور۔ کاش! وہ وقت پھر لوٹ آئے ــــ وہ وقت۔ یا ہم اس وقت میں چلے جائیں۔ ہم لوٹا کیوں نہیں دیئے جاتے ــــ ہمیں چلتے چلتے ٹھہر جانا چاہیئے۔ اور مڑ کر دوسری سمت چلنا چاہیئے۔ جہاں سے ہم نے سفر شروع کیا تھا۔ وہ وقت ــــ وہ زمانہ!

کوّا۔ کاکا ــــ پاگل ــــ کاں کاں ــــ ہاں! ہاہا ــــ کاکا۔ ارے! یہ نہ کہو ــــ کوئی ماہر نفسیات سنے گا تو معلوم ہے کیا کہے گا ــــ؟

منصور۔ کیا ہو ماہر نفسیات! کیا کہے گا؟

کوّا۔ کاکا ــــ سنو! میاں! ہوا یوں کہ ایک دن ایک صاحب اپنے دوست کا بیٹھے نفسیاتی تجزیہ کر رہے تھے۔ میں ایک رسی پہ دور

بیٹھا ان کی باتیں سن رہا تھا۔ انہوں نے اپنے دوست کو کہا "اچھا بتاؤ۔ تم کن کن چیزوں سے ڈرتے ہو؟" اس بیچارے کی مجھ پہ نظر پڑی اور جلدی سے بولا — "کوّے سے"

منصور۔ ہا ہا ہا —

سانپ۔ سی سی ہی سی۔

پیپل۔ پھر کیا ہوا؟

کوّا۔ کا کا — ارے ہونا کیا تھا۔ وہ جلدی سے بولے "بس! میں سمجھ گیا۔ تمہارے والد کی شکل ضرور کوّے سے ملتی ہے۔ کیا ان کا رنگ کالا ہے؟ کیا ان کی ناک لمبی ہے؟" جب وہ ماہر نفسیات ذاتیات پہ اتر آئے تو میں یہ توہین برداشت نہ کر سکا۔ اور — جوابِ جاہلاں خاموشی باشد — کے مصداق وہاں سے چلا آیا (رک کر) تب سے میں جانتا ہوں یہ ماہرِ نفسیات عجیب ہوتے ہیں — ہاں!

(دور سے کتے کی آواز)

وہ — او — او — ہو ہو وہ وہ — ار — ہو، وہ وہ وہ!

پیپل ۔ اوہو ۔۔۔ بے چارہ ۔۔۔ اسے بلالو ۔

کوّا ۔ کاں کاں ۔۔۔ کا کا ۔۔۔ آجا ۔۔۔ آؤ بھئی، وفا
کے پتلے چلے آؤ ۔۔۔ پیپل پہ چلے آؤ ۔

سانپ ۔ آجاؤ میاں ۔۔۔ سی سی شی چھی ۔۔۔ جلدی آجاؤ ۔

کتّا ۔ نہیں ۔۔۔ وہ وہ ۔۔۔ او ۔۔۔ اور ۔۔۔ وہ وہ ،

پیپل ۔ یہ اس کے آگے آگے کیا ہے ؟

کوّا ۔ کا کا ۔۔۔ کاں کاں ۔۔۔ کا ۔۔۔ لاش ۔۔۔ ایک لاش ۔

سانپ ۔ اس کا مالک ہوگا ۔

پیپل ۔ ہاں ! ارک کر میاں ! تمہارا مالک مر چکا ہے ۔ اب تمہارا
فرض پورا ہوا ۔۔۔ چلے آؤ !

کوّا ۔ کا کا ۔ کاں کاں ۔۔۔ ہاں بھئی ۔۔۔ پانی تیز ہے ۔ اور بہت
دور تک پھیلا ہوا ہے ۔

پانی ۔ ۔ اسے درخت کی طرف دھکیل کر ۔ جاؤ نا ۔۔۔ سب ٹھیک
کہتے ہیں ۔۔۔ جاؤ ! اپنی جان بچاؤ !

منصور ۔ (غصے سے) یہ کبھی نہیں ملنے گا ۔۔۔ وفا اس کی کمزوری ہے ۔

کتّا۔ (بھونک کر غصّے میں) تم سب میرے دشمن ہو (رونی آواز میں) چوپ

— ہو— اور— وہ— میرا مالک میرے سامنے

مرگیا۔ میں کچھ نہ کر سکا۔ کوئی مدد نہ کر سکا— یہ لقمے دینے والا

ہاتھ میری آنکھوں کے سامنے سیاہ پڑ گیا۔ یہ مجھے پیار سے دیکھنے

والی آنکھیں ہمیشہ کے لئے بند ہو گئیں— وہ مجھے نرمی اور

پیار سے بلانے والی زبان جم گئی (چیخ کر) وہ— وہ— اوں

چاں آں آں۔ اور تم کہتے ہو۔ میں اسے چھوڑ دوں۔ نہیں

ایسا نہیں ہو سکتا۔ (بھونکتا ہوا آگے نکل جاتا ہے)

پیپل۔ مرجائے گا۔

کوّا۔ خودکشی— کاکا— ہاہا— یہ خود مر رہا ہے۔

سانپ۔ یہ کتا نہیں— مالک کا نمک بول رہا تھا۔

منصور۔ (اپنے آپ سے) یہ کتا نہیں مر سکتا۔ یہ زندہ رہے گا۔

•

(اڑتالیس گھنٹے کے بعد)

کوّا۔ کاکاکا— ہاہا— کاں کاں— ہاں! تو بھی منصور! یہ

روٹی (سانس لے کر) اُف! کتنی دور سے ملی ہے۔ یار تو تھک گیا ہوں۔

پیپل۔ تم نے میرے مہمان کو روٹی دی ہے ــــ میں شکر گذار ہوں۔

کوّا۔ کاکا ــــ ہاہا، ارے تکلف ہٹاؤ۔ یہ انسان کو اچھا لگتا ہے۔ (رک کر) میرا تو فرض ہے۔

سنگِ میل۔ آہ۔ اُف! مجھے تو ابھی تک ہوش نہیں آیا۔ تمام بدن میں درد ہے۔ سر بھاری بھاری سا ہو رہا ہے۔

سانپ۔ تمہیں بہت دیر تک پانی میں رہنا پڑا۔

پانی۔ ارے یار! ہم کون سا روز روز آتے ہیں۔

کوّا۔ ہاں ــــ کاں ــــ کاکا کا، ہاہا،

پیپل۔ اب تم جا رہے ہو؟

پانی۔ ہاں بھئی!

سانپ۔ مگر تمہارے آنے کا مقصد کیا تھا؟

کوّا۔ کاکا ــــ ہاہا ــــ کاں ــــ کا ایک نک۔ بسیر ڈیہ۔ اور کیا۔

منصور۔ یہ جھوٹ بولتا ہے ــــ یہ کچھ چھپا رہا ہے ــــ ضرور کوئی اور

بات ہوگی --- کوئی راز --- !

پیپل - ہاں بھئی - میرا خیال بھی یہی ہے --- کیوں میاں ؟

پانی - (سرگوشی میں) سنو! بات یہ ہے --- مجھے زمین نے مدعو کیا تھا

منصور - وہ کیوں --- ؟ کس خوشی میں ؟

پانی - (چڑ کر) تم زیادہ سوال نہ کرو جی --- چپکے سے سنو (وقفے کے بعد) بات یہ ہے کہ انسان نے انسانی خون سے زمین کا دامن داغدار کر دیا تھا --- اور زمین (رک کر) شرمار رہی تھی - یہ تو غیرت سے پھٹ جاتی مگر اسے انسان کا خیال تھا - اس لئے اس نے مجھے مدعو کیا تاکہ میں اس کے دامن سے یہ داغ دھو دوں --- (رک کر) اور تم سب جانتے ہو! زمین اور پانی کا رشتہ، میں کیسے ٹال سکتا تھا -

کوا - کاکا --- شاباش --- کاں کاں --- ہاں اچھا کیا ہے

سنگ میل - انسان کا دل پتھر ہے -

سانپ - انسان بڑا زہریلا کیڑا ہے --- دراصل مصیبت کی وجہ یہی ہے -

کوا - اور اپنے آپ کو سیانا سمجھتا ہے -

پپیل۔ کاش! وہ زمانہ لوٹ آئے ـــــ وہ پرانا زمانہ رک کر کتنا
نقصان ہوا ہے۔
منصور۔ انسان نے اس سے زیادہ نقصان کیا تھا ـــــ بہت زیادہ
کوّا۔ انسا ـــــ کاکا ـــــ ہاہا ـــــ انسان ـــــ ہاں ہاں ـــــ
کاں کاں ـــــ !

دو حقیقتیں

ضیا اس زمانے میں میڈیکل کالج کا طالب علم تھا جب منصور سے میں نے اس کا تعارف کروایا، اور ضیا کو جانے کیا بات تھی کہ منصور بے حد متاثر کر گیا تھا جب ملتا تھا منصور کے متعلق باتیں کرتا تھا حسبِ دستور وہ ایک روز میرے ہاں آیا اور منصور کی تعریفوں کے پل باندھنے لگا میں نے بور ہو کر اسے کافی ہاؤس کی دعوت دی اور ہم گھر سے نکلے، راستے میں ضیا اپنے مستقبل کے پروگرام بناتا رہا، کافی ہاؤس میں جب ہم داخل ہوئے تو وہاں کوئی ٹیبل خالی نظر نہ آیا۔ ضیا نے غور سے دیکھتے ہوئے کہا "ارے منصور!"

"کیا؟" میں نے تقریب قریب چیخ کر پوچھا۔

"آؤ چلو! منصور کے پاس بیٹھیں گے۔" ضیا نے دلچسپی سے کہا، اور ہم دونوں منصور کی ٹیبل کے قریب پہنچے۔ خوش قسمتی سے منصور اچھے موڈ میں تھا کیونکہ اس نے خلافِ معمول ہمیں پہلی نظر میں پہچان لیا اور بیٹھنے کی اجازت بھی دے دی، وہ کچھ اداس نظر آرہا تھا ویسے تو اس کا چہرہ ان تمام جذبات سے خالی تھا مگر اس وقت میں نے اور ضیا نے یہی محسوس کیا کہ وہ اداس ہے کیونکہ وہ ضرورت سے زیادہ خاموش سگریٹ کے گہرے کش لگا رہا تھا، آخر کار منصور نے کہا۔

"بھئی تم لوگ اگر مجھ میں دلچسپی لینے کے بجائے کافی میں دلچسپی لو تو یہ زیادہ مناسب اور موزوں ہوگا ——" اور پھر سگریٹ کا ایک گہرا کش لگا کر بولا —— "اور ہاں مجھے افسوس ہے کہ میں تمہیں کافی نہیں پلا سکتا کیونکہ ——" وہ رک گیا اور میں نے جلدی سے بیرے کو آواز دی —— بیرے کو کافی کا آرڈر دیا اس دوران میں منصور پھر سگریٹ کے دھوئیں میں گھر چکا تھا، میں اور ضیا دور ٹیبل پہ بیٹھے ہوئے ایک لڑکے کے لباس کی تعریف کرنے لگے —— بیرا کافی لے آیا، کافی پیتے

ہوئے اور عجیب سی الجھن محسوس کرتے ہوئے ضیا نے ہمت کر کے منصور سے کہا۔

"کیوں میاں منصور —— آج آپ اتنے اداس کیوں ہیں؟" اس سوال پر منصور ذرا سا چونکا، سگریٹ کا دھواں آن کی آن میں چھٹ گیا اور منصور نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے کہا۔

"یہ اندازہ جو آپ نے میرے متعلق کیا ہے غلط ہے —— اور اگر آپ میری خاموشی سے اداسی مراد لیتے ہیں تو میں یہ عرض کروں گا کہ دنیا میں صرف دو حقیقتیں ہیں ایک آواز اور دوسری خاموشی —— میں ان دونوں حقیقتوں سے واقف ہوں اس لئے مجھ پر عموماً ان دونوں میں سے ایک کیفیت طاری رہتی ہے، میں یا تو بولتا ہوں اور بہت بولتا ہوں یا پھر خاموش رہتا ہوں اور بالکل خاموش رہتا ہوں اب جبکہ آپ کی اس مداخلت نے میری خاموشی کی کیفیت کو صعقت پہنچایا ہے اور مجھے بولنے پر مجبور کیا ہے تو اخلاقاً مجھ پر یہ فرض عائد ہو گیا ہے کہ لگے ہاتھوں آپ کو کچھ سکھا دوں تاکہ عوام میں سے ایک جاہل اور کم ہو جائے ——"

"ضرور ضرور" میں نے مسکرا کر منصور کی تائید کی اور ضیا کی طرف دیکھا

اسس کا مارے خوف کے برا حال تھا اور وہ چاروں طرف بیزار نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"ضیا صاحب!" منصور نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے تمہیں جہالت سے عشق ہو گیا ہے —— کیوں نہ ہو بھئی سالوں پرانی دوستی ہے اور اتنی گہری رفاقت سے بھی اگر محبت نہ ہو تو اور کیا ہو —— مگر میرے جاہل عوام کے ایک فرد —— تو کیا ہے؟ اس زمین کے سینے پر تیرا وجود کیا ہے؟ تو اس دنیا میں کیا کرنے آیا ہے؟ اور کیا کر رہا ہے اور کیا کرے گا؟ ——" وہ رک کر بولا: "مجھے امید ہے کہ یہ سوالات تمہارے ذہن میں کبھی نہیں ابھرے ہوں گے کاش تم لوگوں کو سوچنے کی ذرا سی برابر بھی عادت ہوتی تو یہ دو چار موٹی موٹی باتیں تو سوچ سکتے۔ مگر نہیں تم لوگوں کی زندگیاں بھی کتنی سطحی اور بے حجاب صورت ہیں، تمہاری امیدیں امنگیں اور خواب کتنے حقیر ہیں تمہاری زندگی کا معیار کتنا گھٹیا ہے، سینما، ہوٹل درزی اور لڑکیوں کے کالج کے گرد تمہاری زندگی چکر کاٹتی رہتی ہے یہی وہ محور ہیں جن کے گرد تمہاری تمام تر آرزوئیں گھومتی ہیں کھانا پینا اچھے کپڑے پہننا اور پھر فلموں یا لڑکیوں کے متعلق باتیں

کرنا یہ ہیں تمہاری زندگی کی مصروفیات ان باتوں سے اکتا گئے تو کاروں کے نئے ماڈل پر رائے زنی شروع کر دی ـــــ مجھے بیوک پسند ہے نہیں یار شورلٹ زیادہ سمارٹ ہے، نہیں بھئی ایم جی ـــــ اس ایج میں سپورٹس کار ایم جی درکار ہے ـــــ مجھے کنورٹیبل کار پسند ہے پیکارڈ بڑی بھدی شکل کی ہے، نیش بھی بھدی ہے ـــــ بیوک۔ ہائے بیوک ـــــ تم زندہ ہو اور اپنی طرف سے بڑے مزے کی زندگی گزار رہے ہو۔ تمہاری زندگی کی خواہش یہ ہے کہ تمہارے پاس امریکن سٹائل کے سلے ہوئے چند سوٹ ہوں لوٹس اور کے (K) شو نہ مارکہ کے چند جوتے ہوں ایک کنورٹیبل گاڑی ہو ایک خوبصورت نازک اندام لڑکی ـــــ اور پھر کبھی کبھی تمہارے اس پروگرام میں کتا بھی شامل ہو جاتا ہے، ـــــ" وہ رک رک کر بولا۔

"مسٹر ضیا! تمہاری زندگی کا یہ ماحول جو تم نے تیار کیا ہے لڑکی تو اس میں خوش رہ سکتی ہے کیونکہ وہ بھی کافی جاہل ہوتی ہے مگر خدا کے لئے کتے کو اس ماحول سے نکال دو، یہ بڑا احساس جانور ہے، یہ مجبوراً اپنی عادت کے مطابق تم سے وفا تو ضرور کرے گا مگر اس بیچارے کا تمہارے ماحول

میں دم ضرور گھٹے گا، کاش تم سوچ سکتے کہ زندگی ان تمام باتوں کے علاوہ
بہت کچھ ہے اس میں تم کیا کچھ کر سکتے ہو کاش تم جان سکتے کہ رنگین لیبل
اور خوبصورت پیکینگ کے علاوہ جو چیز ہے وہی اصل حقیقت رکھتی ہے
اب میں تم کو کیا کہوں — کیسے سمجھاؤں" وہ رک گیا اس نے ایک
نیا سگریٹ سلگا کر کہا۔
"مجھے دیکھو — میں بھی تمہاری ہی عمر کا ہوں — اسی ماحول
میں میں نے پرورش پائی ہے میں نے کبھی لباس کو اپنے سے زیادہ
اہمیت نہیں دی تم نے مجھے کبھی فلموں اور کاروں کے متعلق باتیں
کرتے نہیں سنا ہو گا — میں بھی کافی ہاؤس میں آتا ہوں اور تم بھی
میں بھی کافی پیتا ہوں اور تم بھی — مگر میرے اور تمہارے خیالات
اور نظریات میں کتنا فرق ہے، تم کافی ہاؤس میں نمائش کرنے اور خواب
دیکھنے آتے ہو — کافی کا ایک پیالہ سامنے رکھ کر تم میں سے کچھ
زندہ دل اچانک فرانس پہنچ جاتے ہیں اور وہاں کی آرٹ گیلریز دیکھنے
کی بجائے وہاں کی سستی اور گھٹیا نیم برہنہ عورتوں کو گھورتے ہیں اور
کالجوں کے طالب علم امریکہ اور ہالی وڈ میں گھومنے لگتے ہیں وہاں تم امریکن

کی سطحی زندگی پر آنسو بہانے کی بجائے ان کے سکاکی سیکپر اور سنہرے رنگین کیفوں کو دیکھ کر تعجب اور حیرانی کا اظہار کرتے ہو اگر تم میں کوئی کامریڈ ہوتا ہے تو روس چلا جاتا ہے اور وقتی طور پر اپنے قیمتی سوٹ اور امریکن ٹائی کو بھول کر روسی عوام کے جلوس میں شامل ہو کر لینن زندہ باد کے نعرے لگانے لگتا ہے یہ ہے تم لوگوں کی زندگی کا لرزتا ہوا عکس، مجھے دیکھو میں بھی کافی ہاؤس میں آتا ہوں مگر صرف کافی پینے —— یاد رکھو" منصور نے رک کر ہم دونوں کو گھورا ——

"دنیا میں صرف دو حقیقتیں ہیں —— کافی اور سگریٹ! یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا اس نے نیا سگریٹ سلگایا اور گہرے کش لگانے لگا چند لمحوں میں وہ پھر اپنی پہلی کیفیت میں لوٹ گیا اسی کیفیت میں جس میں ہم مخل ہوئے تھے میں اور ضیا اُٹھے اور بغیر بولے ہوئے ہم نے بل ادا کیا اور چپکے سے کافی ہاؤس سے باہر نکل آئے۔

کافی ہاؤس سے باہر نکل کر ضیا نے ایک لمبا اور گہرا سانس لیا اور ہم دونوں گھر کی طرف چل دیئے راستے میں ہم نے کوئی بات نہ کی بالکل چپ چاپ چلے جا رہے تھے ضیا چلتے چلتے اچانک چونک سا جاتا اور

پیچھے مڑ کر دیکھنا اس کی اس حرکت سے صاف پتا چل رہا تھا کہ وہ ڈر رہا ہے کہ کہیں منصور ہمارا تعاقب نہ کر رہا ہو ــــ

بے چارہ ضیا ــــ

ایک دن میں اور ضیا دوپہر کو غالباً ایک بجے کے قریب بڑی تیزی سے گھر کی طرف بھاگے جا رہے تھے کہ اچانک منصور نے ہمارا راستہ روک لیا خیر یہ بات تو اتنے خوف کی نہیں تھی سب سے زیادہ حیرانی ہمیں جس بات پر ہوئی وہ یہ تھی کہ اس نے بال بڑے سلیقے سے بنائے ہوئے تھے اس کے چشمے کا فریم بدلا ہوا تھا اور وہ مسکرا رہا تھا مجھے بالکل یقین نہ آتا تھا کہ یہ منصور ہے مگر منصور بدستور مسکرا رہا تھا آخر مجھ سے نہ رہا گیا ــــ

"ارے منصور یہ کیا؟" میں زیادہ کچھ نہ کہہ سکا۔

"ذرا سائے میں آجاؤ بھئی ــــ" ضیا گھبرا گیا۔

"یہاں کیا ہے؟" منصور نے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"دھوپ" ضیا بسورنے لگا۔

"اُف" منصور کو ضیا کی اس بات نے پھر سنجیدہ بنا دیا اور اُن کی

آن میں منصور کی مسکراہٹ غائب ہوگئی ــــ

"آخر تم لوگ کب تک عوام میں شمار کیئے جاؤ گے ــــ" منصور نے ملتجی نظروں سے ہماری طرف دیکھ کر سوال کیا اور خوشامدانہ انداز میں بولا ــــ

"بھئی خدا کے لئے سنبھل جاؤ۔ اپنے آپ کو بدل دو یکسر بدل دو ــــ تم کو کیا ہوا ہے؟ اس طرح بوکھلاتے ہوئے کس طرف جا رہے ہو اتنا پیارا موسم ہے یہ جون کا مہینہ، یہ دھوپ یہ وقت ــــ کتنا اچھا اور خوبصورت ماحول ہے" منصور نے مسکرا کر سارے ماحول کا جائزہ لیا ــــ

"دھوپ سے میرا سر چکرا رہا ہے" ضیا نے تنگ آ کر کہا۔

"ہاں بھئی منصور ــــ بہت تیز دھوپ ہے" میں نے تائید کی۔

"دھوپ" منصور نے ملائمت سے کہا "دھوپ میں زندگی کی حرارت ہے زندگی کی تازگی ہے، شباب کی تپش ہے اس میں سب کچھ ہے نئے عزم نئے ارادے اور نئے استقلال کا جوش، کاش تم محسوس کر سکو، ــــ مگر نہیں۔ یہ تمہارے بس کی بات نہیں تم تو شاعروں کے رسمی خیالات

کے پابند ہو، تم تو چاندنی رات کا تصوّر اپنے ذہنوں میں بسائے پھرتے ہو، چاندنی رات! جس میں نہ زندگی ہے نہ حرارت ہے نہ کوئی حرکت تم لوگ بے کار اور آوارہ ذہنوں کے پرستار ہو اس حقیقی زندگی کا لطف تم کہاں اٹھا سکتے ہو تم تو مردوں اور مرقدوں کے پجاری ہو، سر ولاشے پوجتے ہو، چاندنی راتوں میں اپنے ماضی کے گلستانوں میں بھٹکتے ہو اور حال کو بھول جاتے ہو اور مستقبل کے عجیب دھندلے خواب دیکھتے ہو کاش تم اس نیند سے کبھی بیدار ہو سکتے اور ان چیزوں سے لطف اٹھا سکتے جو عوام کے لئے تکلیف کا باعث ہیں تم یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ میں بھی تمہاری طرح ہوں اور تمہارے ساتھ دھوپ میں کھڑا ہوں بلکہ تم دونوں نے سیاہ گہرے چشمے لگا رکھے ہیں تاکہ تمہاری آنکھیں روشنی سے خیرہ نہ ہو جائیں تم لوگ آخر روشنی سے ڈرتے کیوں ہو ——— تم لوگ ———"

اچانک منصور غور سے ایک طرف دیکھنے لگا میں نے مڑ کر دیکھا تو دور ایک سرخ دوپٹے والی لڑکی منصور کو بلا رہی تھی منصور اسے بھی دھوپ میں کھڑا کر کے آیا تھا اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے رکنے کے لئے کہا اور ہماری طرف دیکھ کر بولا ———

"کیوں جی! یہ تم لوگ اتنے حیران کیوں ہو؟ وہ لڑکی ہے اور مجھے فلرٹ کرنا چاہتی ہے ——— میں تمہاری طرح لڑکیوں کے متعلق باتیں نہیں کرتا لڑکیوں سے باتیں کرتا ہوں، یہ لڑکی ذہین ہے عام لڑکیوں سے بہت مختلف ہے یہ جو بات سمجھتی نہیں پوچھ لیتی ہے یہ ہر وقت مسکراتی نہیں حالانکہ اس کے دانت بہت حسین ہیں یہ مجھے ایک کتابوں کی دکان پر ملی تھی ——— دکاندار کے پاس کنفیوشس کے فلسفے کی کتاب نہیں تھی اور یہ اسے کہہ رہی تھی کہ مجھے اس کتاب کی بہت ضرورت ہے اور بازار میں وہ کتاب کہیں نہیں ملتی ——— میں نے یہ تمام بات سن لی میں اس لڑکی سے ملا اس کا نام صغرا تھا جو مجھے بالکل ناپسند تھا بہرحال میں نے اسے وہ کتاب اپنی لائبریری میں سے وقتی طور پر دے دی اس دن سے یہ مجھے روز ملتی ہے میں نے اس کا نام صبا رکھ دیا ہے ——— اور اسے یہ نام پسند ہے میرے خیال میں یہ لڑکی اگر تین چار مہینے مجھے اس جوش کے ساتھ ملتی رہی تو ضرور ایک قابل قدر شخصیت بن جائے گی ——— ویسے پہلے بھی یہ عام لڑکیوں سے بہت مختلف ہے یہ کبھی لباس کے متعلق باتیں

نہیں کرتی مرد سے باتیں کرتے وقت کبھی آنکھیں جھکا کر حیا کا اظہار نہیں کرتی ــــ سڑک کراس کرتے وقت کبھی اپنی چال کا خیال نہیں رکھتی اور اس کے علاوہ آنکھوں کو نیم باز کرنا ہونٹوں کو بھینچنا دانتوں کی نمائش غرض کہ یہ ہر تصنع سے بے نیاز ایک سمارٹ قسم کی پڑھی لڑکی موڈرن لڑکی ہے ــــ وہ رک کر بولا ــــ "تم لوگ اب بے یار و بری حالت میں ہو اور میری باتوں کے باوجود تم دھوپ کے احساس کو زائل نہیں کر سکے ــــ وہ دیکھو ــــ" اس نے لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا ــــ "کس ٹھاٹ کے ساتھ دھوپ میں کھڑی ہے۔ تم لوگ ہو کہ مرے جا رہے ہو اچھا جاؤ اور یاد رکھو دنیا میں صرف دو حقیقتیں ہیں ــــ دھوپ اور لڑکی۔" یہ کہہ کر منصور سڑک کراس کر گیا۔ ضیا اور میں چل دیئے اچانک ہم دونوں نے مڑ کر دیکھا منصور نے لڑکی کے قریب پہنچ کر ایک بلند قہقہہ لگایا اور وہ دونوں چل دیئے ــــ

میں اور ضیا چپ چاپ چلے جا رہے تھے کہ اچانک ضیا بولا۔ "ناممکن ــــ یہ کبھی نہیں ہو سکتا ــــ یہ لڑکی ضرور پاگل ہے جو منصور سے عشق کر رہی ہے" ــــ ضیا نے گہرا سانس لیا ــــ

"لاحول ولا" میں نے کہا۔ "ضیا! تم نہیں جانتے منصور کا کہنا ہے کہ لڑکی جاہل ہوتی ہے میں پہلے غلط سمجھتا تھا آج مجھے بھی یقین ہو گیا۔" ضیا نے قہقہہ لگایا۔ اور سڑک کی دوسری طرف ایک لڑکی نے حقارت سے ضیا کی طرف دیکھ کر منہ پھیر لیا۔

ایک دن میں اور ضیا لارنس گارڈن میں شام کو گھومتے ہوئے ایک دوسرے سے یہی باتیں کر رہے تھے کہ بھئی دیکھو قریباً دو مہینے ہوئے منصور بری طرح غائب ہے جانے آجکل اس لڑکی پر کیا بیت رہی ہوگی، میں بتاتا ہوں ضیا نے جلدی سے کہا ———

"وہ لڑکی جو پہلے کبھی کبھی مسکرایا کرتی تھی اب بالکل مسکرانا چھوڑ چکی ہوگی اور ریستوران اور کیفوں میں منصور کے ساتھ بیٹھ کر بقراط اور جالینوس کے فلسفے پر بحثیں کرتی ہوگی۔" اور ضیا برا سا منہ بنا کر رک گیا۔

"کیا بات ہے؟" میں نے پوچھا

"وہ دیکھو۔" ضیا نے لارنس باغ کے ایک تنہا گوشے کی طرف اشارہ کیا، میں نے غور سے دیکھ کر پوچھا۔

"کیا ہے بھئی؟"

"ارے بدھو!" ضیا نے مجھے روک کر کہا۔ "وہ آدمی دیکھ رہے ہو جو
پردہ دار خاتون کی طرح سڑک کی طرف پیٹھ کئے بیٹھا ہے۔"

"ہاں" میں نے اور غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ منصور ہے۔" ضیا نے بڑے اعتماد سے کہا۔

"وہ منصور نہیں ہے۔" میں نے یقین سے کہا۔

"چلو شرط رہی" ضیا مجھے کھینچتا ہوا اس آدمی کے قریب لے گیا
جب ہم دونوں اس کے قریب پہنچے تو ہمیں دھیرے دھیرے گنگنانے
کی آواز آئی ——

میں کیا کر رہا ہوں
کدھر جا رہا ہوں
اداس اور تنہا
لبوں پر خموشی کی مہریں لگائے
خیالات کے رہگذاروں پہ پیدل
میں کیا کر رہا ہوں۔
کدھر جا رہا ہوں

وہ رک گیا اور ضیا نے بے تکلفی سے کہا ——

"کیوں قبلہ منصور صاحب —— یہ شاعری کب سے ؟" میں ڈر رہا تھا مگر وہ شخص جب چونک کر مڑا تو واقعی منصور تھا اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"آؤ بھئی —— بیٹھ جاؤ —— دیکھو ماحول کو دیکھو۔ بہار کا آغاز ہے چاروں طرف رنگ ہیں اور خوشبو ہے اور شاعری ہے ——"

"تعجب" یک دم میرے منہ سے نکلا اور ضیا حیران پریشان چاروں طرف گھبرائے ہوئے سچ مچ ماحول میں بہار ڈھونڈھ رہا تھا آخر وہ تھک کر بولا ——

"منصور! تم —— یہ تم ہو اس درجہ ہلکے پھلکے موڈ میں —— اتنے جذباتی اور رومنٹک ۔"

"اس میں تعجب کی کیا بات ہے ؟" منصور بولنے لگا۔

"بھئی دنیا میں دو بڑی حقیقتیں ہیں حالات اور کیفیات —— حالات کے ساتھ ساتھ انسان پر مختلف کیفیات رونما ہوتی ہیں اور اس کا روپ دھارے آدمی دنیا کو دیکھتا ہے تم لوگ ایک رفتار سے ایک راستے پر

چلتے ہو اور میں مختلف راستوں پر مختلف رفتاروں کے ساتھ چلتا ہوں تمہاری زندگیوں میں جمود ہے اندھیرا اور خاموشی ہے مگر میں اور میری دنیا ان تمام چیزوں سے مبرّا ہے میں ہر شے اور ہر ماحول سے لطف اٹھا سکتا ہوں، بہرحال یہ تصدیق شدہ بات ہے کہ فراق میں تخلیق ہوتی ہے میں نے فراق کے لمحوں میں چند نظمیں کہی ہیں ان نظموں کا کچھ حصہ غالباً تم سن بھی چکے ہو" ——— وہ رک گیا،

"بھئی وہ لڑکی کہاں گئی؟" ضیا نے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

"بھٹک گئی" منصور یک دم سنجیدہ ہو گیا۔

"مگر کیسے؟" ضیا نے پھر پوچھا

"چلتے چلتے!" منصور نے بات کو پھر گول کر دیا اور اس سے پیشتر کے ضیا کوئی اور سوال کرے منصور نے آہ بھر کے کہا۔

"دنیا میں صرف دو حقیقتیں ہیں ——— فراق اور شاعری۔ آہ! وہ فرقت کے اداس اور طویل لمحے اور وہ لطیف شاعرانہ احساسات ان حالات میں گھر کر آدمی دنیا کی تمام تلخیوں سے کتنا دور چلا جاتا ہے اور وقتی طور پر خیالات کی قندیلیں روشن کر کے امیدوں کے راگ رنگ میں کھو جاتا ہے

اور یہ بہلاوے کتنے حسین اور دلچسپ ہیں ان کے بغیر آدمی زندہ بھی تو نہیں رہ سکتا۔۔۔" وہ رک گیا اور گھاس پر سے اٹھتے ہوئے بولا۔۔۔ "آؤ چلیں" میں اور ضیا اس کے ساتھ ہو لئے منصور بول رہا تھا۔۔۔

"آخر انسان اتنا کمزور کیوں ہے اتنا دکھی کیوں ہے اس کی زندگی میں اس درجہ تلخیاں کیوں ہیں اتنے بہلاوے اور فریب کیوں؟ میرا خیال ہے یہ تمام غم اور تلخیاں انسان خود اپنے لئے پیدا کرتا ہے انسان لالچی اور کمینہ ہے عجیب عجیب خواب دیکھ کر طرح طرح کی آرزوئیں پیدا کرتا ہے اور جب وہ آرزوئیں پوری نہیں ہوتیں تو یہ آنسو بہاتا ہے اداس رہتا ہے! وہ پھر اپنا یہ غم بھلانے کے لئے آوارگی کرتا ہے کافی پیتا ہے شاعری کرتا ہے نئے نئے لباس پہنتا ہے، مصنوعی ہنسی ہنستا ہے اور دنیا کو یہ یقین دلانے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ خوش ہے مزے میں ہے عیش کر رہا ہے۔۔۔" منصور کا سانس پھول گیا اور وہ رک کر بولا۔

"ارے تم لوگ یہ سب آخر کیا کر رہے ہو۔۔۔ یہ لبادے اتار

دو حقیقی دنیا میں رہو سوچنے اور خواب دیکھنے کی بجائے کوئی تعمیری کام کرو تاکہ تمہاری زندگی کی تلخیاں کم ہو سکیں ——" منصور رک گیا ہم ملکہ وکٹوریہ کے بت کے قریب پہنچ چکے تھے اس نے مدھم آواز میں کہا ——

" تم لوگ اب جا سکتے ہو "

" اور تم ؟" ضیا نے پوچھا

" میں " منصور نے بے پروائی سے کہا " میں یہاں گھاس پر بیٹھ کر سر پر تیل کی مالش کراؤں گا اور اس کے بعد قوالی گاؤں گا —— اور تمہاری اس پُر تصنع اور فریب کی دنیا پر قہقہے لگاؤں گا " اس نے ہاتھ بڑھا کر ہم سے اجازت چاہی اور ہم دونوں آگے چل دیئے ۔ منصور کی آواز ہمارا تعاقب کر رہی تھی وہ شاید تیل مالش والے کو بتا رہا تھا کہ دنیا میں صرف دو حقیقتیں ہیں —— تیل مالش اور قوالی ——

محبّت کے بعد

فضا میں ایک رنگینی تھی ہر طرف پرندوں کی نغمگی اور آبشاروں کا ترنم تھا مرغزاروں میں ہر ہر ڈالی پر پھول شباب کے رنگوں سے تمتمارہے تھے تمام ماحول خوشیوں سے معمور نظر آتا تھا ہر چہرہ تازگی اور آنکھ میں امید کی چمک لئے ہوئے تھا۔

نجمی آج بہت دنوں بعد مجھے ملا تھا، وہ کراچی تقریباً دو ماہ گذار کر آیا تھا اور اس نے آتے ہی سب سے پہلا سوال یہ کیا تھا کہ منصور کہاں ہے؟ جب میں نے اسے بتایا کہ اس تمام عرصے میں وہ مجھے نہیں ملا تو نجمی ایک لمبا اور گہرا سانس لے کر بولا ــــــ "ارے! اگر مجھے یہ

علم ہوتا کہ اس نے ہمیں نہیں ملنا تو میں کراچی ہرگز نہ جاتا۔"

نجمی جانے کیا بات تھی منصور سے بہت گھبراتا تھا، حالانکہ وہ بے چارہ سیدھا سادہ اور معصوم انسان ہے، وہ کسی کے لئے نقصان دہ نہیں۔ خدا معلوم نجمی اس کی باتوں سے بور ہیت کیوں محسوس کرتا تھا جب کہ اس کی ہر بات عموماً حقیقت پر مبنی ہوتی ہے ہاں البتہ اس کے کہنے کا انداز ذرا مختلف ہے۔

ہم دونوں کوٹھی کے لان میں ہمید کی کرسیاں خالی کرتے ہوئے اٹھے اور سیر کے لئے مال روڈ چل دیئے، لورینگز سے نکل کر ہم لارنس کی طرف آہستہ آہستہ چلنے لگے میں حیرانی سے نجمی سے یہی کہہ رہا تھا کہ بھئی تعجب ہے منصور اتنا عرصہ نہیں ملا، خدا معلوم بے چارہ بیمار ہے مگر نجمی نے بڑے اعتماد سے کہا کہ منصور بیمار نہیں ہو سکتا وہ حافظے کے زور پر زندگی بسر کر رہا ہے جب میں نے اس کے ہاں جانے کی خواہش ظاہر کی تو نجمی جیسے خوف سے کانپنے لگا۔

مجھے اس کی اس حرکت پر ہنسی آ گئی۔

لوگ کہتے ہیں کہ چھینک آئے تو کوئی یاد کرتا ہے، آنکھ پھڑکے

تو غم یا خوشی ملتی ہے، ہتھیلی میں کھجلی ہو تو پیسے ملتے ہیں گویا کہ اس طرح کے سینکڑوں وہم ہیں جن پر ضعیف الاعتقاد لوگوں کا ایمان ہے مگر میں یقین سے کہتا ہوں اور ہم لوگوں کا ایمان ہے کہ جب ہم ذرا خوش ہوتے ہیں یا ہمیں ہنسی آتی ہے تو منصور آجاتا ہے۔ نجمی ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ گیا۔

ابھی ہم لارنس تک بمشکل پہنچے تھے کہ دور سے منصور آہستہ آہستہ نیم مردہ حالت میں آتا ہوا دکھائی دیا، میں تو پہلی ہی نظر میں پہچان گیا مگر نجمی ڈر اور خوف سے ملی جلی آواز میں حقیقت کو جھٹلانے کی کوشش کر رہا تھا جب ہم ذرا قریب پہنچ گئے تو نجمی کے رونگٹے کھڑے ہو گئے وہ بالکل جان پر کھیل کر بھاگنے ہی والا تھا کہ میں نے اس کا بازو تھام لیا اور کہا بھئی بندۂ خدا دیکھو تو سہی اس غریب کی کیا حالت ہو گئی ہے جانے کتنا عرصہ بیمار رہا ہے اور تو ہے کہ بھاگا جا رہا ہے ذرا دم تو دو اس کا حال احوال تو پوچھ لیں پھر کسی معقول بہانے سے معذرت کر کے چل دیں گے ہم دو قدم چل کر جب بالکل اس کے قریب پہنچے تو منصور نے ہماری طرف بیزار نظروں سے دیکھا اور پہچانے بغیر آگے گذر گیا۔

نجمی کو بہت حیرت ہوئی اور اس نے زور سے منصور کو پکارا، مگر منصور نے کوئی دھیان نہ دیا، ہماری تشویش بڑھی اور ہم نے اس کا تعاقب کر کے اسے پوچھ لیا اس کے کندھے پکڑ کر اسے جھنجھوڑا اور اسے یقین دلانے لگے کہ وہ منصور ہے اور وہ ہمارا ملنے والا ہے۔ ہمیں قابلِ رحم حالت میں دیکھ کر شاید اسے ترس آگیا ——

اور اس نے بڑی اکتائی ہوئی دھیمی آواز میں کہا ——

"تم لوگ اگر بضد ہو تو مان لیتا ہوں ——" پھر رک کر بولا" کہیئے کیا بات ہے ؟"

"ارے بھیا! تم اتنا عرصہ کہاں غائب رہے ؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"کھو گیا تھا" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"کہاں ؟" نجمی نے مذاق سے کہا۔

"دنیا میں" منصور نے آہ روکتے ہوئے کہا

"کس دنیا میں ؟" نجمی چڑ گیا، منصور شاید جواب سوچنے لگا اور میں نے لقمہ دیتے ہوئے کہا۔

"دل کی دنیا میں"

"ہاں" اس نے آسمان کو حقارت سے دیکھ کر کہا۔ "یونہی سمجھ لو۔"

"ہیں۔ ہم دونوں قریباً بے ہوش ہوتے ہوتے بچے، منصور کی آنکھیں پرنم ہو گئیں اور اس نے بغیر ہونٹوں کو جنبش دیتے ہوئے کہا ——

"آؤ میٹرو چلیں۔"

"مگر ہم تو سیر کرنے کے موڈ میں ہیں۔" نجمی مچل گیا۔ منصور نے غصے سے نجمی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"نادان مت بنو، میں ذرا تھک گیا ہوں، تم لوگ میرے ساتھ آؤ"

وہ ہماری طرف ملتجی نظروں سے دیکھنے لگا۔ میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ نجمی نے کہا۔

"ہاں ہاں ضرور، شوق سے چلئے" میں حیران تھا نجمی کی جرأت قابلِ داد تھی ہم لوگ منصور کے ساتھ فرمانبرداری سے چلتے ہوئے میٹرو پہنچے، بیرے کو چائے کا آرڈر دے کر منصور نے بلند آواز میں کہا ——

"اکثر لوگ دوسروں کی زندگیاں گذارتے ہیں ان کے خیالات دوسروں کے ہوتے ہیں ان کی زندگیاں نقل ہوتی ہیں۔ ان کے جذبات مستعار ہوتے ہیں سٹیفرسن نے کیا خوب کہا ہے: "افراد میں سب سے بڑی کمی انفرادیت کی ہوتی ہے" وہ رک گیا شاید اسے چائے کا انتظار تھا اچانک وہ پھر سرگوشی کے لہجے میں بولا۔

"ماحول افسردہ ہے آجکل موسم کتنا بے رنگ اور لوگ کتنے مایوس نظر آتے ہیں، تم نے محسوس کیا؟"

"نہیں" نجمی فوراً بولا۔

"کیا بات کرتے ہو منصور میاں! موسم تو بڑا خوشگوار ہے ماحول بھی افسردہ نہیں اور لوگ ــــ لوگ تو مسکرا رہے ہیں۔

"تم نے سچ کہا" منصور چائے بناتے ہوئے بڑبڑانے لگا۔

"منصور" میں نے نرمی سے کہا۔

"تم کچھ کمزور نظر آتے ہو، تمہاری آنکھوں کے گرد سیاہیاں اور گہری ہو گئی ہیں۔ تم کچھ بیزار معلوم ہوتے ہو اور آج تم کچھ باتیں بھی عجیب کر رہے ہو ــــ آخر کیا بات ہے؟"

منصور نے ہنسنے کی کوشش کی اور دھیمی آواز میں بولا ــــ

"جو ایک کے ساتھ بیت سکتی ہے وہ سب کے ساتھ بیت سکتی ہے پہلے میں اسے غلط سمجھتا تھا اور آج شاید تم غلط سمجھ رہے ہو۔"

"یہ بھی معمہ ہے آخر بات کیا ہے بھائی ــــ" نجمی نے تنگ آکر کہا

"کوئی خاص بات نہیں" منصور نے چائے کی دوسری پیالی بناتے ہوئے کہا۔

"کل تک میں دل پر یقین نہ رکھتا تھا عشق کو تمہارے غالب کی طرح دماغ کا خلل تصور کرتا تھا مگر آج تم لوگ میری یہ حالت دیکھ رہے ہو ــــ غور سے دیکھو ــــ" وہ ہنسنے لگا "ابھی ابھی تم لوگوں نے مجھے یقین دلایا ہے کہ میں منصور ہوں اور تم میرے ملنے والے ہو اور ابھی ابھی میرے سینے میں ایک طوفان امڈ آیا ہے دماغ میں لہروں کا شور پھیل رہا ہے آنکھوں میں بھنور چکر لگا رہے ہیں۔ کل میرا منہ چڑا رہا ہے ماضی میرا مذاق اڑا رہا ہے اور تم لوگ بے حس مجسمے بنے بیٹھے ہو۔" اس کا سانس پھول گیا اور وہ رک کر بولا ــــ

"اب میں سمجھنے لگا ہوں کہ دانتے نے کیوں کہا تھا کہ غم ہمیں خدا

کے قریب لے جاتا ہے ــــ جب میں عشق کے مراحل طے کر رہا تھا

تو ــــ"

"عشق" نجمی کی حیرت سے چیخ نکل گئی۔

"منصور مذاق چھوڑو ــــ تم اور عشق! نہیں بھیّا! یہ ناممکن

ہے ــــ"

منصور خاموش تھا میں نے نجمی کو چپ رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے

منصور سے کہا ــــ

"ہاں بھیا! کون تھی وہ؟"

"اس کا نام ذکیہ خدا بخش تھا" منصور آہ نہ روک سکا۔ میں نے

پہلی بار اسے چڑیا گھر میں دیکھا وہ ــ"

"چڑیا گھر میں" چڑیا گھر پر نجمی نے زور دیا اور میں ہنسی ضبط نہ کر سکا۔

منصور نے کوئی دھیان نہ دیا۔

"وہ شتر مرغ کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی میں اس کے قریب پہنچ

گیا اس کے چہرے پر موٹے سیاہ فریم کا چشمہ تھا اور اس کے کپڑوں سے

کتابوں کی تیز خوشبو آ رہی تھی ــــ اور تم لوگ جانتے ہو ذہانت

پر میرا ایمان ہے، ذہین آدمیوں سے مجھے عشق ہے اسے دیکھ کر
مجھے جانے کیا ہو گیا۔ میں یکدم جانے جذباتی کیسے ہو گیا اور میں نے
اس لڑکی سے باتیں شروع کر دیں، ہم دونوں کافی دیر تک چڑیا گھر
میں گھومتے رہے اور اس تمام عرصے میں وہ صرف ایک بار مسکرائی
اور وہ بھی ہاتھی کو دیکھ کر ـــــ جاتے وقت اس نے مجھے اپنے گھر
پر چائے کی دعوت دی جو میں نے بخوشی منظور کر لی، دوسرے دن
میں بغل میں لغت دبائے اس کے گھر پہنچا۔ اس نے میرا استقبال
کیا ہم چائے پر سیاسیات حاضرہ کی باتیں کرتے رہے اس کے بعد
اس نے مجھے اپنی لائبریری دکھائی جس میں چار زبانوں کی کتابیں تھیں
فرینچ، انگریزی، فارسی اور اردو، وہ چار زبانوں پر مہارت رکھتی تھی
وہ چار مختلف زبانوں کی کتب کا چار مختلف چشموں سے مطالعہ کرتی تھی
میں اس کی اس عظمت سے بہت مرعوب ہوا میں خوش تھا ذکیہ
خدا بخش کو پا کر مطمئن تھا گو وہ مجھے کافی دیر بعد ملی تھی ـــ پھر بھی میری
مسرت کی کوئی انتہا نہ تھی ـــ لیکن آہ!" وہ رک گیا اور بہت پر درد
لہجے میں بولا ـــ" ایک دن"

"ہاں ہاں کہو۔" انجمی بے چینی سے بولا، اور منصور نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"تم جانتے ہو ہر انسان کو نیکی کی اتنی ہی سزا ملتی ہے، جتنی بدی کی ——— سماج اپنے آپ کو فرد کو سزا دینے کا حقدار سمجھتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اسے اپنی مسئولیت کا احساس نہیں ہوتا یہ آدمی کو سزا دینے کے بعد اسے چھوڑ دیتی ہے حالانکہ اسی وقت اس کے فرائض شروع ہوتے ہیں مجھے یہ حق ہے کہ میں دنیا کو بتاؤں جو مصیبتیں میں نے سہی ہیں اور دنیا کو یہ بھی سمجھنا چاہیئے ——— کہ اس نے مجھے کیا کیا دکھ پہنچائے ہیں اور ان تمام باتوں کے باوجود مجھ میں اور دنیا میں نہ تلخی پیدا ہونی چاہیئے نہ نفرت ———" وہ رک گیا۔

"بات کیا بنی" میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

منصور نے دلاسہ دے کر کہا ———

"سمجھ جاؤ گے۔ جب میں عشق کے مراحل طے کر رہا تھا تو مرنا چاہتا تھا میری صرف یہی خواہش تھی اور جب ایک ماہ بعد جنون قدرے کم ہوا اور میری صحت ذرا اچھی ہوئی تو مجھے جھنجھلاہٹ محسوس ہوئی اور میں نے خودکشی کا مصمم ارادہ کر لیا مگر یہ کیفیت بھی ختم ہو گئی اور

آخر میں نے فیصلہ کیا میں زندہ رہوں گا اور غم کو اپنا شعار بنا لوں گا کبھی نہ مسکراؤں ــــ جس گھر میں جاؤں وہ ماتم کدہ بن جائے" وہ آہ بھر کر بولا۔

"کبھی میرے چمنِ دل میں بہاراں تھا، لیکن اب زندگی کو میں نئے نقطۂ نظر سے دیکھتا ہوں ــــ اور کوشش کے باوجود بھی مسرت کا تصوّر نہیں لا سکتا اور میں چاہتا ہوں کہ اپنے دوستوں کے قدم اپنے غم کے احساس سے بوجھل کر دوں انہیں بتاؤں کہ غم زندگی کی حقیقت ہے انہیں غم کے قریب لے جاؤں غم سے روشناس کراؤں اور ان کی زندگیاں اداس کر دوں، لیکن! اب میں یہ بھی نہیں چاہتا ــــ میں چاہتا ہوں کہ مسکراؤں، کیونکہ لوگ مسکراتے ہیں لیکن کیا کروں۔ مسکراتے ہوئے چہروں کے پیچھے ہو سکتا ہے کہ بربریت اور وحشت کے عفریت ناچ رہے ہوں لیکن غم کے پیچھے ہمیشہ غم ہوتا ہے غم کے چہرے پہ کوئی نقاب نہیں" وہ رک گیا اور مسکرا کر بیزاری پھیلانے لگا اور نجمی نے اداس آواز میں کہا ــــ

"مگر بھیا! میں جاہل کچھ بھی نہیں سمجھ سکا، آخر تم کیا کہہ رہے ہو؟"

منصور نے غور سے نجمی کو دیکھ کر پیار سے کہا ——

"جہالت دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے اس لئے کہ جاہل دماغ میں بلند خیالات کے سما جانے کی صلاحیت ہوتی ہے۔"

منصور رک گیا نجمی کچھ دبک گیا اور وہ میری طرف دیکھ کر بولا ——

"صاحبزادے اغم مسلسل ہے اور پیہم ہے اس کے لئے کسی موسم کی کوئی قید نہیں اس میں نہ کمی ہوتی ہے نہ زیادتی صرف احساس کبھی اس کی شدت میں نرمی پیدا کر دیتا ہے کبھی تندی، ہم لوگوں کی زندگی میں وقت آگے نہیں بڑھتا بلکہ ایک مرکز کے گرد گھومتا ہے اور وہ مرکز درد ہے ——"

"مگر تمہیں یہ درد کس نے دیا؟" نجمی خاموش نہ رہ سکا۔

"دنیا نے جو مجھ سے کیا وہ اتنا سخت نہیں جو میں نے خود اپنے ساتھ کیا ہے۔" وہ نجمی کو گھورتے ہوئے بولا ——

"اونچائیوں پر رہتے رہتے میں اکتا گیا تو نشیب کی طرف آ گیا تا کہ احساس میں کچھ جدت پیدا ہو سکے، اور یہاں پہنچ کر مجھے یقین ہو گیا کہ حقیقت ہی مذہب ہوتی ہے، ہم سب فطرت کا بڑا گھرا مطالعہ

کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر ہم میں سے کوئی بھی فطری طور پر زندگی نہیں گزارتا، ہمارا فن چاند کی کرنوں کی طرح سایوں سے کھیلتا ہے اس میں سورج کی سی تیزی اور چمک نہیں، اس میں چیزوں کے وجود کو اہمیت نہیں دی جاتی بلکہ چیزوں کے سایوں کو اہم سمجھا جاتا ہے ۔۔۔"

"آہ توبہ!" نجمی نے دو تین لمبے سانس کھینچ کر کہا ۔۔۔

"میں کچھ بھی تو نہیں سمجھا"

"تم یہ باتیں نہیں سمجھ سکتے"، منصور نے نجمی کو حقارت سے دیکھ کر پیار سے کہا ۔۔۔

"تمہارا نام نجمی ہے، تمہارے نام سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے اور چونکہ تمہارا کچھ نہیں کھویا اس لئے تمہیں ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں اور جب انسان کا سب کچھ کھو جاتا ہے تب اسے احساس ہوتا ہے کہ اس کے پاس کچھ تھا ۔۔۔"

"بھیا! اس ذکیہ خدا بخش کا کیا ہوا؟" میں نے منصور سے پوچھا

"ذکیہ!" وہ رک کر بولا

"خدا بخش! خدا اسے بخشے! میرا انتخاب غلط نکلا، میں اسے کچھ
اور سمجھا تھا اور وہ کچھ اور ہی نکلی"
"آخر ہوا کیا؟" میں نے پوچھا۔
"کچھ نہیں" منصور سنجیدگی سے بولا
"ہم ایک دن لارنس میں کنفیوشس کے فلسفے پر بحث کر رہے
تھے کہ وہ اچانک بات کرتی ہوئی رک گئی اور پھر گھبرائے ہوئے لہجے
میں بولی ——— "ارے! غضب ہو گیا، آج ریگل میں بیدنگ بیوٹی
(BATHING BEAUTY) کا لاسٹ ڈے ہے آؤ پکچر دیکھنے
چلیں ———" میں اس کی یہ بات سن کر دنگ رہ گیا ——— ایک ذہین
لڑکی جو چڑیا گھر میں شتر مرغ کا مطالعہ کرتی ہے، ہاتھی کو دیکھ کر مسکراتی ہے
چار مختلف چشموں سے چار مختلف زبانوں کی کتب کا مطالعہ کرتی ہے
جس کے لباس سے کتابوں کی تیز خوشبو آتی ہے، اتنی چیپ پکچر کو کنفیوشس
کے فلسفے پر ترجیح دے۔ میرا دل ٹوٹ گیا ———" وہ رک گیا یا شاید اس
کی آواز نے ساتھ دینا چھوڑ دیا ———
"پھر کیا ہوا؟" نجمی اور میں بیک وقت بولے۔

ہوناکیا تھا ـــــ میں اپنے بال نوچتا ہوا جانے کس طرف بھاگ گیا۔" منصور پھر آہ نہ روک سکا۔ منصور بالکل خاموش ہو گیا، میں حیران تھا، نجمی مسکرا رہا تھا اور آخر کار منصور نے اٹھ کر ہم دونوں سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا ـــــ

"تم دونوں اب جا سکتے ہو! میں ابھی یہیں بیٹھوں گا۔"

نجمی نے موقعہ غنیمت جانا، ہم دونوں میٹرو سے باہر آئے اور راستے میں نجمی نے کہا ـــــ

"منصور کی باتیں سنکر مجھے جانے کیوں آسکر وائلڈ کی کتاب "ڈی پروفنڈس" بار بار یاد آئی۔"

میں اچانک چونکا کیونکہ مجھے بھی کچھ اسی قسم کا احساس ہو رہا تھا۔

جینئس کے دوست

اور کہا جینئس نے کہ دوست ملنا اور دوست ہونا ناگزیر ہے اور مجھے یاد ہے جب کہا تھا نپولین نے جبکہ وہ اور اس کی فوج ایک جنگ میں دشمنوں نے گھیر لی تھی، "میرا اعتقاد میرا دوست ہے" اور کہا تھا سکندر اعظم نے کسی جنگ کے دوران میں "میرے سورماؤں کا جذبہ میرا دوست ہے" اور کہا تھا ہٹلر نے "دوست وہ جو جنگ میں کام آئے" اور کہا تھا لقمان نے کہ "بیوقوف میرے دوست ہیں جن سے میں نے عقل حاصل کی"۔

"اور تم نے کیا کہا تھا ــــــ؟" ریاض نے تنگ آ کر پوچھا۔

ہیں، ہندو بھائی، سکھ بھائی، مسلمان بھائی ـــــ ہم سب بھائی ہیں، ہم سب دوست ہیں"۔ اور خلیل جبران نے کہا "مبارک ہیں وہ جھونکے جو لبنان کے گلستانوں میں لہراتے ہیں، وہ بہار جو لبنان میں قیام کرتی ہے۔ لوگو! اس دنیا کے وسیع میدانوں میں، پہاڑوں اور بیابانوں میں چراگاہوں اور گلستانوں میں، تمہیں کچھ نہیں ملے گا ـــ اگر کچھ ہے تو تمہارے سینے میں ہے۔ روح کی گہرائیوں میں کھو جاؤ تاکہ تم اپنے آپ کو پاسکو ـــ روح کا ساتھ عظیم ہے، اس کی دوستی لازوال ہے" منصور خاموش ہو گیا اور پھر چیخ کر بولا "جاہل لوگو! اے جہالت کے پرستارو! بتاؤ تم نے ان تمام باتوں سے کیا معنی لئے؟ کیا حاصل کیا؟ نہیں! تم جواب نہیں دے سکتے، مجھ سے پوچھو اور میری سنو۔

میں دوست کے لفظ سے دوست کے معنوں سے اور دوست کے وجود سے شرمندہ ہوں، اسی طرح جس طرح کتا اپنی دم سے، اونٹ اپنے کوہان سے، درخت اپنے سائے سے اور انسان اپنے وجود سے شرمندہ ہے۔ کتا کتے کا اور انسان انسان کا کبھی دوست نہیں ہو سکتا میرا دوست علم ہے۔ میرا جینئس ہے اور میں اس میں اور وہ مجھ میں

"بیوقوف!" جینیئس نے برا سامنہ بنا کر اسے پیار سے ڈانٹا "بدتمیز!
علم حاصل کرنے کے لئے تحمل کی ضرورت ہے" ریاض وبک گیا میں نے
اور ناصر بھائی نے لقمہ دیا "پھر بھئی منصور ___ تم بات جاری رکھو"
"تو ہاں" منصور نے آنکھیں نیم وا کرلیں اور ایکٹنگ کرتے ہوئے
بولا "دوست!" اور پھر برا سامنہ بنا کر تھوک نگلی اور بھویں سکیڑ کر
آنکھوں کو بند کیا اور لہجے کو ذرا دھیما کر کے بولا۔
"کہا مہاتما بدھ نے کہ "تمام جاندار میرے دوست ہیں" اور رو کر
کہا بھگت کبیر نے کہ "آنسوؤں سے زیادہ کوئی دوست نہیں" اور لیدا کالس
مسکرایا "میرے دوست میرے تصوّرات ہیں" اور جارج برنارڈشا
نے سفید ڈاڑھی کھجائی اور چھڑی تھام کر بولا "تصورات کیا ہوئے ___
الفاظ! الفاظ، میرے دوست میرے الفاظ ہیں" اور بائرن نے کالر
درست کیا، زیرلب طنزیہ مسکراہٹ پیدا کی اور کہا غلط ہے! کوئی کسی
کا دوست نہیں ___ شراب! شاعری، دولت کتّے اور عورت، کوئی
بھی کسی کا نہیں ہے۔ انسان خود اپنا دوست ہے"
اور مہاتما گاندھی کی بکری ممیائی اور باپو نے کہا "شب بھائی بھائی

سکتا۔

"بیچارہ انسان!"

"اور تم لوگوں کو علم ہوگا ـــــــ" منصور یکدم رک گیا اور یوں ہو گیا جیسے وہ کوئی جاسوسی کہانی سوچ رہا ہو اور مسکرا کر بولا "تم لوگوں کی صحبت نے آخر مجھ پر بھی اثر کر دیا ـــــــ تم لوگوں کو بھلا علم کیسے ہو سکتا ہے۔" وہ مسکرانے لگا۔

"مگر منصور!" ناصر بھائی نے کہا "تم سے ملتے ہمیں اتنا عرصہ ہو گیا، اب بھی ہم اس قابل نہیں ہوئے۔"

"نہیں" منصور نے بے نیازی سے کہا "ایسے ملنے سے کیا ہوتا ہے۔ بات تو جب ہے کہ میں تمہیں ملوں اور میں کسی کو نہیں ملتا اگر یہ بات ہو تو مجھے تم جیسے جاہل لوگ ہی گھیرے رکھیں میاں صاحبزادے میں تم لوگوں سے مل کر تم لوگوں میں گھر کر بھی تنہا ہوتا ہوں، اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو آج میں منصور نہ ہوتا بلکہ تمہاری جگہ ہوتا اور تم میرا تمام علم، میرا جینیئس سمیٹ چکے ہوتے۔" منصور شرمانے اور مسکرانے لگا اور پھر چشمہ صاف کر کے بولا۔

اتنا مدغم ہو چکا ہے کہ ہمیں علیحدہ کرنا دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے، مگر منصور! یہ کتا، اونٹ اور درخت کیوں شرمندہ ہیں؟ یہ کیا بات ہوئی؟"

"ہاہاہا!" قہقہہ لگا کر منصور مشکوک نظروں سے ہمیں گھور کر پیار سے بولا "نہیں سمجھے؟ کیسے سمجھ سکتے ہو، ہر بات سمجھنے کے لئے ذہن —"

اور وہ قہقہے لگانے لگا، اور پھر آہستہ سے بولا۔

"کتا اپنی دم سے اس لئے شرمندہ ہے کہ اس کی سب سے بڑی کمزوری ہے، اگر یہ نہ ہوتی تو اس میں وفا نہ ہوتی اور نہ وہ آج اتنا ذلیل ہوتا۔"

"اونٹ اپنے کوہان سے شرمندہ ہے اس لئے کہ انسان اپنے کوہان لبادوں میں ڈھانپ کر اونٹ کے کوہان پر طنز کرتا ہے۔

درخت بے چارہ اپنے سائے سے شرمندہ ہے، صرف اس لئے کہ اس سائے کو دیکھ کر انسان وہاں آرام کرتا ہے اور جاتی دفعہ اس کے پتے اور شاخیں کاٹ کر ساتھ لے جاتا ہے

اور انسان —— انسان اپنے وجود سے کب شرمندہ ہے ویسے اُسے شرم آنی چاہیئے کیونکہ لبادوں کے باوجود یہ اپنی عریانی نہیں ڈھانپ

"برا ماننے کی کوئی بات نہیں بلکہ اس کا شکریہ بجا لاؤ جسے تم عظیم سمجھتے ہو۔" وہ رک کر بولا "میرا شکریہ ادا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں میں کسی پر احسان نہیں کر رہا، اپنا فرض ادا کر رہا ہوں، میں چاہتا ہوں تم تھوڑا سا علم حاصل کر لو، مگر یہ تبھی ممکن ہے جب تم میں جہالت کا احساس پیدا ہو جائے۔ میرا خیال ہے مجھے مل کر تم میں یہ احساس ضرور جاگتا ہوگا اور اگر یہ واقعی درست ہے تو پھر دنیا تم سے کسی شے کی بھی توقع کرے تو بے جا نہ ہوگا ــــ مگر یہ کہ تم یہ خیال دل میں کبھی مت لاؤ کہ میں تمہارا دوست ہوں ــــ" وہ رک کر بولا "میں تم لوگوں کو چند خطوط سناتا ہوں، یہ ان لوگوں کے ہیں جو تمہاری طرح غلط فہمی کا شکار ہیں اور مجھے اپنا دوست سمجھتے ہیں۔" وہ رک گیا اور اپنی میز کے دراز ٹٹولنے لگا۔ ایک سیاہ فائل نکال کر اس نے ورق گردانی شروع کر دی اور پھر چہرے پر طنز پیدا کر کے بولا۔

"لو سنو! یہ خط ایک طالب علم کا ہے۔

محترمی منصور صاحب

السلام علیکم

کافی ہاؤس میں ایک دن آپ کو باتیں کرتے سنا تھا، آپ اپنے چند دوستوں کو کافی اور کافی ہاؤس کا مصرف بتا رہے تھے، ان کے لباس، نظریے اور حرکات پر تنقید فرما رہے تھے میں آپ کی گفتگو سے بے حد متاثر ہوا تھا۔ کیا میں آپ کے ساتھ خط و کتابت کر سکتا ہوں؟ فقط

اختر سلیم (ایک طالب علم)

اور اس کو میں نے صرف یہ لکھا تھا:۔

برخوردار!

جینئس تمہیں معاف کرے!

غیر متعارف شخص کی بات سننا اخلاقی پستی کا ثبوت دینا ہے

مجھے افسوس ہے کہ تم نے ایسی شرمناک حرکت کی۔ فقط

منصور

ایک اور خط ملاحظہ ہو۔ یہ خط ایک دکاندار کا ہے:۔

شملہ کلاتھ ہاؤس، شملہ

ڈیئر مسٹر منصور!   آداب!

آپ شملے میں نو وارد ہیں۔ بہر حال میں آپ کو مال روڈ پہ کئی بار دیکھ چکا ہوں، ایک دوست نے آپ کا غائبانہ تعارف کراتے ہوئے کہا تھا "یہ شخص جینیس ہے" میرا بھی آپ کے متعلق یہی اندازہ تھا۔ کیا میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ آپ اپنے لباس کی طرف توجہ کیوں نہیں دیتے؟ ایک اتنے خوبصورت ذہن کا آدمی لباس کی طرف سے اتنا بے پرواہ ہو، یہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔

میں آپ کو ایک سوٹ پیش کرنا چاہتا ہوں، کیا آپ قبول فرمائیں گے۔ فقط

رام چرن شرما

اس کا جواب بھی سن لو:-

مسٹر شرما

میں شملے میں، کیا تمہاری اس سرزمین پہ نو وارد ہوں، میں نے

تمہیں کبھی نہیں دیکھا اور نہ کبھی تم سے غائبانہ تعارف ہوا ہے۔ تم انسان کو گزوں سے ناپنے کے عادی ہو۔

تم نے جس زبان میں خط لکھا ہے وہ نہایت عامیانہ ہے۔

میں لباس کو اپنی شخصیت سے زیادہ اہمیت نہیں دے سکتا تم جو سوٹ مجھے پیش کرنا چاہتے ہو وہ تیار کر کے خود پہنو تاکہ دیکھنے والے عبرت حاصل کریں۔

منصور

منصور کاغذ بکھیر کر اور خط ڈھونڈھنے لگا ایک کاغذ نکال کر وہ مسکرایا اور ہماری طرف دیکھ کر پیار سے بولا ــــ "یہ خط ایک لڑکی کا ہے۔"

"لڑکی کا خط ہے" ناصر بھائی نے چونک کر کہا۔ منصور نے نفرت سے ناصر بھائی کی طرف دیکھ کر کہا "ہاں! سنو، لکھتی ہے:۔

جناب منصور صاحب!

آداب و تسلیمات!

میں گرمیوں کی چھٹیاں گذارنے شملے آئی ہوئی ہوں ایک دن

سنجولی کے راستے میں آپ کو ایک درخت سے ہم کلام دیکھا تھا۔

کیا آپ درختوں کی زبان جانتے ہیں؟ امید ہے آپ ضرور

جواب دیں گے۔ ایک دن آپ جاکھو میں ایک بندر سے سرگوشیوں

میں کچھ باتیں کر رہے تھے — جہاں تک میرا خیال ہے آپ انسانوں

سے نفرت کرتے ہیں کیا میں اس کا سبب معلوم کر سکتی ہوں؟

میں آپ سے متعارف نہیں لیکن آپ کی شخصیت نے مجھے

بہت متاثر کیا ہے۔ شملے میں میرے چند ایک عزیز اور دوست

موجود ہیں مگر اس کے باوجود میں اس خوبصورت ماحول میں

بوریت محسوس کرتی ہوں کیونکہ میرے ارد گرد جتنے لوگ ہیں وہ

سیاست، فلم اور فیشن کے علاوہ کوئی بات نہیں کر سکتے اگر میں

آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاؤں تو آپ جھٹک تو نہ دینگے۔

فقط

مقصودہ کلثوم

(چھوٹا شملہ)

منصور خاموش ہو گیا۔ ناصر بھائی نے بیتابی سے پوچھا "تم نے اسے کیا جواب دیا منصور؟"

"بتاتا ہوں" منصور نے کاغذ ڈھونڈھتے ہوئے کہا "سنو!"

پیاری کلثوم!

"پیاری" کے لفظ سے میں نے تمہیں مخاطب اس لئے کیا ہے کہ تم نے واقعی میری ہمدردی جیت لی ہے۔ مگر مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ تمہاری نگاہ انتخاب غلط ہے۔ تم شملے میں چھٹیاں گذارنے آئی ہو یا زندگی ـــــ مجھے اس سے بھلا کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ تم نے غلط آدمی کو صحیح اطلاعات پہنچا کر بڑی معصومانہ غلطی کی ہے۔ باقی رہا درخت اور بندر سے باتیں کرنے کا معاملہ۔ سو تمہیں ایسی جینیئسوں والی حرکتوں پر توجہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم لڑکی ہو اور تمہیں لڑکی ہی رہنا چاہیئے۔ اس میں تمہاری اور تمہارے ملک کی بھلائی ہے۔

تمہاری اطلاع کے لئے یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں درخت سے باتیں نہیں کر رہا تھا بلکہ درخت مجھ سے ہم کلام تھا، یہی فقرہ تم بندر کی جگہ بھی دہرا لو۔

تمہارے ارد گرد کے لوگ جینیس باتیں کرتے ہیں۔ ٹھیک ہے، وہ جینئس بننے کی سعی لاحاصل نہیں کر رہے ہیں۔ مجھے یہ سنکر خوشی ہوئی، باقی رہا سوال دوستی کے ہاتھ بڑھانے کا تو اس سلسلے میں گزارش ہے کہ تم تو میری طرف ہاتھ بڑھاؤ گی ــــ میں کس طرف ہاتھ بڑھاؤں گا؟

فقط۔ منصور

ایک اور خط سنو، یہ میری ایک ہمسائی کا ہے، محترمہ لکھتی ہیں :ــ

مسٹر! سلام نیاز!

میں آپ کی ہمسائی ہوں اور مجھے آپ کے کتے سے سخت شکایت ہے، وہ مجھے دیکھ کر بھونکتا ہے کیا آپ اسے سمجھا نہیں سکتے؟ امید ہے آپ اس کا جلد کوئی بندوبست کریں گے۔

فقط ــــ مسز حیدر

اور میں نے جواب میں فقط یہ لکھا :ــ

محترمہ! میں آپ کا ہمسایہ ہوں اور مجھے آپ سے سخت شکایت ہے۔ میرا کتا آپ کو دیکھ کر صرف اس لئے بھونکتا ہے کہ یہ سوچتے ہوئے انسان کے خیالات سن سکتا ہے امید ہے آپ موجودہ روش پر سوچنا ترک کر دیں گی۔

فقط۔ منصور

ایک اور خط سنو

کافی ہاؤس مال روڈ شملہ

مسٹر منصور! ہیلو

کافی ہاؤس کے بیروں کو شکایت ہے کہ آپ اکثر اوقات بل ادا کرنا بھول جاتے ہیں اور پھر بعض اوقات آپ زیادہ پیسے دے جاتے ہیں۔

کیا آپ کسی پریشانی میں مبتلا ہیں؟

میں نے آپ کو کبھی مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اس کی وجہ بھی غالباً کوئی پریشانی ہے۔ میں آپ کی بے نیازی اور خاموشی سے بہت متاثر ہوں۔ کیا میں آپ سے تعلقات پیدا کر سکتا ہوں؟ فقط۔ ڈیوڈ مسیح

میرا جواب بھی سن لو :-

مسٹر ڈیوڈ

خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنہیں میں شکایت کا موقع دیتا ہوں۔
باقی رہا سوال بل کی ادائیگی کا تو اگر میں بھول جاتا ہوں تو اس میں میرا کوئی
قصور نہیں۔ بل لینا آپ کے بیروں کا فرض ہے۔

میں نہیں، غالباً آپ کے بیرے کسی ذہنی پریشانی میں مبتلا
ہیں۔

آپ نے مجھے کبھی مسکراتے نہیں دیکھا۔ یہ پڑھ کر میرا خیال ہے
میں مسکرایا تھا۔ مگر میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا کیونکہ میرے رائیٹنگ
ٹیبل کے سامنے آئینہ نہیں ہے۔

آپ میری خاموشی اور بے نیازی سے متاثر ہو کر مجھے متاثر نہیں کر
سکے۔ تعلقات پیدا کرنے کا خیال آپ کے ذہن میں کیسے آیا، حیرت
کی بات ہے۔

فقط

منصور

"اب یہ آخری خط مسٹر ٹینی سن لیہ یہ صحیح معنوں میں ایک خط ہے مگر افسوس ـــــ" منصور نے آہ بھر کر خط شروع کیا:۔

ہیلو جینیئس!

میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں، اور تم بھی مجھے جانتے ہوگے۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ میں نے تمہیں پچھلے مہینے گیارہ بار عوام میں گھومتے دیکھا ہے اور یہ بات یقیناً" قابل شرم ہے۔ سنجولی کے قریب چیڑ کا بوڑھا پیڑ تمہارا منتظر ہے۔ وائٹ خلا، ہال کا ریسٹ ہاؤس بیتم برباد ہے۔ جاکھو کے بندر تمہارے انتظار میں بیٹھے ہیں، اور میں نے سنا ہے تمہیں لوگوں کے خطوط موصول ہو رہے ہیں اور تم ان کے جواب دے رہے ہو۔

کیا تمہارے پاس ان سستی حرکتوں کی کوئی معقول وجہ موجود ہے؟ مجھے جواب دینے کی چنداں ضرورت نہیں۔ خود کو جواب دے لینا میں مطمئن ہو جاؤں گا۔

اس خط پر کسی کا نام نہیں تھا۔" منصور نے فائل سمیٹتے ہوئے کہا

"کوئی اڈریس وغیرہ! یہ خط کہاں سے آیا تھا؟" میں نے حیرانی ظاہر کی۔

"خط تو کل تھا اور شملے سے کسی نے لکھا تھا ــــــ تحریر اور انداز کافی مانوس تھا خط سے جینیئس کی بو آتی تھی۔"

"جینئیس! کون تھا پھر؟" ناصر بھائی نے قریباً چیخ کر پوچھا۔

"کل تک میں معلوم نہ کر سکا تھا آج محسوس ہو رہا ہے کہ یہ خط میں نے ہی لکھا تھا" منصور نے چشمہ صاف کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا

"گویا خود تم نے؟" میں خاموش ہو گیا۔

"انسان اپنا بہترین رہنما شفیق دوست اور اعلیٰ ترین ساتھی ہے۔ لوگ خواہ مخواہ دخل در معقولات کرتے ہیں یہ چھیڑ چھاڑ اور انتشار کے قائل ہیں۔ سکون، گہرائی، خاموشی اور عقل کے دشمن ہیں تمہارا کوئی دوست نہیں تم خود ــــــ" منصور رک کر ہمیں گھورنے لگا اور پھر مسکرا کر بولا ــــ

"خیر ہٹاؤ! دوست کا ہونا اور ملنا ناگزیر ہے۔"

اور منصور کرسی سے اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔

میں اور جینئس

بہاریں گذر گئیں درختوں کے لہلہاتے پتے زرد پڑ گئے اور ٹہنیوں کی ہریاول اور لچک بہار کے آخری جھونکے اپنے ساتھ لے گئے ہر طرف ویرانی تھی خزاں کے زہریلے جھونکوں نے ہر شے کو جھلس دیا تھا ہر رنگ جل چکا تھا اور ماحول میں ایک بے بسی اور یاس رچی ہوئی تھی میں اور ناصر بھائی امتحانات سے فارغ ہو چکے تھے اور مری جانے کا پروگرام بنا رہے تھے دن رات کی پڑھائی نے برا حال کر دیا تھا نجمی بہت دنوں بعد ملنے آیا تھا اور ہم کوٹھی کے لان میں بیٹھے مری کے متعلق سوچ رہے تھے ——

ناصر بھائی بھنا کر کرسی سے اٹھے اور گرمی گرمی چلانے لگے نجمی نے بھی عرق آلود جبین کو رومال سے صاف کیا اور اورنج سکوایش کی فرمائیش کی اور ہیں نے نوکر کو آواز دے کر نجمی سے کہا ——

"نجمی! ہمارا پروگرام تو نامکمل ہے مری بغیر منصور کے کوئی لطف نہ آئے گا۔"

"کیا کہا!" نجمی نے گھبرا کر دوبارہ ماتھے پر رومال پھیرا اور نوکر کو جو لان میں آچکا تھا اورنج سکوایش کے جگ کا آرڈر دیتے ہوئے کہا۔

"دیکھو میاں! ایک بات یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تم منصور کو اپنے ساتھ مری لے جاؤ پھر یہ لاہور میرے لئے کسی پہاڑی علاقے سے کم نہ ہوگا ——" وہ رک کر بولا ——

"غضب خدا کا —— کہتا ہے منصور کو ساتھ لے چلیں" نجمی نے رک کر ناصر بھائی کو مخاطب کر کے کہا۔

"ناصر! سنا تم نے —— منصور ہمارے ساتھ مری جائے گا۔

—— اُف! تم لوگ منصور کو ساتھ لے کر مری چلے جاؤ —— پھر یہ لاہور جنّت بن جائے گا —— یہ تپتی ہوئی زمین —— یہ ویرانیاں یہ لو

اور آندھی کے جھکڑ میں ان سب چیزوں کو برداشت کر سکتا ہوں مگر ان سب چیزوں میں منصور سے ملاقات کا خدشہ ——" نجمی رک گیا اس کا سانس پھول گیا اور وہ رومال سے تیسری بار ماتھا صاف کرنے لگا۔

ناصر بھائی جو اس عرصے میں فقط مسکرا اور سوچ رہے تھے سنجیدگی سے میری طرف دیکھ کر بولے۔

"دیکھو میاں! ہم مری جا رہے ہیں تھوڑا سا وقت اطمینان سے گذارنے کے لئے اگر تمہاری یہی خواہش ہے جس کا تم نے اظہار کیا ہے تو خدارا تم منصور کو اپنے ہمراہ لے کر مری چلے جاؤ میں اور نجمی یہاں بہت خوش رہیں گے ——" ناصر بھائی کو اس درجہ سنجیدہ دیکھ کر میں بھی سنجیدہ ہو گیا اور میں نے آہستہ سے کہا۔

"مجھے افسوس ہے کہ آپ لوگ منصور کے بارے میں اس درجہ عجیب و غریب خیالات رکھتے ہیں منصور ایک ذہین آدمی ہے ایک وضع دار اور شریف انسان اس سے آپ لوگ اس درجہ خائف کیوں ہیں یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی ——" ناصر بھائی بہت سنجیدہ ہو گئے

اور ذرا بلند آواز میں بولے ——

"دیکھو میاں! ہمارے اس پروگرام کی خبر کسی کو نہیں ہونی چاہیئے ہم مری چار دن اچھے گذارنے جا رہے ہیں خدا خدا کرکے امتحانات کی بوریت سے نجات ملی ہے اور اب جو وہ چار دن ہم ہنس کر گذارنا چاہتے ہیں تمہیں وہ بھی برے لگتے ہیں۔ اب چلے ہو اس بورِ اعظم کو اپنے ساتھ تاکہ سبز شاداب پہاڑوں پہ چیڑ کے درختوں کے نیچے نرم گھاس اور گھرے سایوں میں ہم اس کے طویل لیکچر سنا کریں —— کیفوں میں بیٹھ کر پیٹری سینٹرو چیز اور میوزک سے لطف اندوز ہونے کی بجائے اس جینئس سے ذکیہ خدا بخش کے رومان کی اکتا دینے والی الف لیلیٰ داستانیں ——" ناصر بھائی رک کر بولے۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے آخر؟ کیوں تم اتنی بری طرح اپنے آپ کو سزا دینے پہ تلے ہو۔" ناصر بھائی رک گئے میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ نجمی جلدی سے بولا ——

"اور پھر اگر تم اپنے آپ سے اتنے ہی بے زار ہو تو کچھ ہمارا ہی خیال کرو ہم نے آخر کیا قصور کیا ہے جو تم ہمارے دشمن ہو گئے ہو۔"

نوکر اورنج سکوائش کا جگ لے گیا اور وقتی طور پہ بات ٹل گئی جانے کیا بات تھی آج ناصر بھائی اور نجمی سے منصور کی بابت اس قسم کی باتیں سنکر مجھے بہت دکھ ہو رہا تھا وہ لوگ اورنج سکوائش پی رہے تھے اور مجھے بچوں کی طرح سمجھا رہے تھے ان کی حالت واقعی قابل رحم تھی ناصر بھائی اور نجمی مجھے اس طرح خاموش دیکھ کر جانے کیا تصور کر رہے تھے انہیں اس حال میں دیکھ کر میں نے اپنی ہمدردی جو منصور کے لئے وقف کر رکھی تھی تھوڑی سے ان کے نام کر دی اور ان کے گڑگڑانے پر گم سم ہو کر سوچنے لگا کہ کیا واقعی منصور ایسا ہے جیسا ناصر بھائی اور نجمی سمجھتے ہیں کیا واقعی وہ بور اعظم ہے جیسا کہ ابھی ابھی ناصر بھائی نے کہا تھا ——— اور مجھے اس طرح سوچتا چھوڑ کر ناصر بھائی اور نجمی چلے گئے اور میں نے سر کرسی کی پشت پر رکھ کر ٹانگیں پھیلا دیں اور منصور کے متعلق سوچتے ہوئے میری آنکھیں پرنم ہو گئیں اور میرے دل کی گہرائیوں میں یاس کے بھنور بننے لگے ———

شام کے سائے گہرے اور لمبے ہو گئے تھے اور مجھے لان میں بیٹھے بیٹھے جانے کتنا وقت گذر گیا تھا کہ منصور کی آواز نے مجھے چونکا دیا ———

"ارے بھئی! کوئی ہے؟" میں نے ایک گہرا سانس لے کر آہستہ سے کہا۔

"منصور تم ——— چلے آؤ۔" اور منصور نے مشکوک نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے دیکھ کر کہا:

"کیوں میاں! آپ یہاں اکیلے کیا کر رہے ہیں؟" میں نے بصد مشکل چہرے پر مسکراہٹ لا کر کہا ——

"تم بیٹھ جاؤ ——— کہو بہت دنوں بعد آئے ہو کہاں رہے؟" اور منصور نے نظروں کا شک لہجے میں منتقل کرتے ہوئے کہا ——

"وہ تو ٹھیک ہے یہاں کرسیاں میں بھی دیکھ رہا ہوں اور بیٹھ بھی جاؤں گا اور پھر یہ بھی بتا دوں گا کہ میں اتنے دنوں بعد کیوں آیا اور کہاں رہا مگر سوال پھر وہی پیدا ہوتا ہے کہ تم اکیلے کیا کر رہے ہو؟"

"کچھ نہیں ——— میں اکیلا تو نہیں تھا ناصر بھائی ابھی یہاں تھے" میں نے جلدی سے کہا اور منصور نے جیسے چاروں طرف نظر دوڑا کر سونگھتے ہوئے کہا ——

"اب کہاں ہیں؟" میں نے بات ٹالتے ہوئے کہا۔

"ابھی آجائیں گے ـــ یہیں کہیں ہوں گے تم بیٹھ جاؤ ـــ"

"ہوں" منصور نے نچلے ہونٹ کو دانتوں میں دبا کر کہا اور کرسی پر سوچتے ہوئے بیٹھ گیا میں نے دوبارہ پوچھا۔

"تو آپ اتنے روز تک کہاں رہے منصور صاحب؟" منصور نے چشمہ رومال سے صاف کرتے ہوئے کہا۔

"کیا میں واقعی تمہیں بہت دنوں بعد ملا ہوں؟" میں نے سوچتے ہوئے کہا ـــ!

"ہاں بھئی تم میرا خیال ہے کوئی ڈیڑھ ماہ کے بعد آج ملے ہو ـــ آخر کہاں رہے؟" منصور نے چشمہ لگاتے ہوئے ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔

"مگر یہ ڈیڑھ ماہ بعد میں کیوں ملا ہوں اور کہاں رہا ہوں اس کا جواب تو میرے پاس ہے پر یہ ناصر اور نجمی کہاں ہیں؟"

"خدا معلوم کہاں چلے گئے بتا کر بھی تو نہیں گئے ہیں" میں نے منصور کی بات کا برا مانتے ہوئے کہا۔ "مگر تمہیں ان کی اتنی تشویش

کیوں ہے؟" منصور نے حیرت سے میری طرف دیکھ کر کہا ——

"تشویش! کیا مطلب؟" میں جلدی سے بولا

"یہ تم بار بار جو ان کا پوچھ رہے ہو تشویش نہیں تو اور کیا ہے؟"

منصور نے سر ہلا کر کہا ——

"تو یہ بات ہے" وہ رک کر بولا "اگر بار بار پوچھنا ہی تشویش

کو ظاہر کرتا ہے تو میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ بار بار کیوں پوچھ رہے ہیں

کہ میں اتنے دنوں بعد کیوں ملا ہوں اور کہاں رہا ہوں آخر آپ کو

اس درجہ تشویش کیوں ہے؟ میں نے جلدی سے کہا ——

"صرف اس وجہ سے کہ آپ لاہور میں ہوتے ہیں تو اکثر ملاقات

ہوتی رہتی ہے اتنے دنوں غائب رہنے کا سبب یہی ہو سکتا ہے کہ

آپ لاہور میں نہیں تھے ——" منصور نے مسکرا کر کہا ——

"بالکل غلط —— یہ بات تو اتنی تشویش طلب نہیں ہے اور پھر یہ

بات بھی بہتان سے کم نہیں کہ جب میں لاہور میں ہوتا ہوں تو آپ سے

اکثر ملاقات ہوتی ہے یہ اس لئے کہ میں لاہور ہی میں تھا اور آج آپ کو

ڈیڑھ ماہ کے بعد بقول آپ کے مل رہا ہوں ——" منصور رک کر بولا۔

"باقی رہا میرا سوال تو وہ اس لیئے بار بار کیا گیا تھا کہ ناصر اور نجمی ابھی یہاں تھے اور اب کہاں ہیں یہ آپ کو علم نہیں ـــــ میری تشویش اگر تشویش ہی ہے تو اس لیئے جائز ہے کہ وہ لوگ اتنی جلدی غائب کہاں ہو گئے؟ ـــــ" میں نے تنگ آکر کہا۔

"آخر یہ جاننا بھی کوئی اتنا ضروری تو نہیں ـــــ" منصور نے میری طرف دیکھ کر سرگوشی میں کہا۔

"یہ جاننا اس لیئے ضروری ہے کہ میں جانتا ہوں یہ لوگ میری آمد کی خبر پا کر بھاگ جاتے ہیں ان کی سنجیدگی اور علم سے عداوت ہے اتنی عمر انہوں نے اس خوف اور ڈر میں بسر کی ہے کہ کہیں خدا نہ کرے یہ عالم نہ ہو جائیں اور ان کا یہ غیر معین مضحکہ خیز وجود سنجیدگی اختیار کر کے قابلِ قدر نہ بن جائے ـــــ تم بہت معصوم ہو مگر میں ہر بات بڑی وضاحت سے جانتا ہوں مجھے علم ہے کہ ان لوگوں کو علم سے نفرت اور جہالت سے محبت ہے یہ لوگ میری باتوں کو پورا سمجھ کر تو نہیں دیتے اور جب میں باتیں کرتا ہوں تو یہ کسی نہایت ہی گھٹیا سی چیز کے متعلق سوچ رہے ہوتے ہیں مگر اس کے باوجود میں یہ اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ انہیں علم کے

اصول اور بیش بہا خزانے سے اگر مالا مال نہ کردوں تو اتنا ضرور دیدوں کہ یہ اپنی زندگی ادھار پر بسر کرنے کی بجائے شرافت سے گذار سکیں ۔۔۔"

"تعجب ہے" میں نے کہا "منصور! تم یہ جانتے ہوئے بھی ان سے ملتے ہو کہ یہ تمہیں نہیں ملنا چاہتے یہ جانتے ہوئے بھی باتیں کرتے ہو کہ یہ تمہاری باتیں نہیں سن رہے یہ عجیب بات ہے میں کم از کم یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتا ۔۔۔" منصور سنجیدگی سے بولا۔

"تمہاری قوت برداشت کمزور ہے اور پھر اگر تم بھی یہ کر سکو تو غضب ہو جائے پھر منصور میں اور تم میں کوئی فرق نہ رہے اور جب یہ ہوگا کہ منصور اور تم میں کوئی فرق نہیں رہے گا تو پھر یا تم نہیں رہو گے یا منصور نہیں رہے گا ۔۔۔ مگر مجھے یقین ہے کہ ہم دونوں رہیں گے ۔۔۔ کیونکہ تم یہ بات کبھی برداشت نہیں کر سکتے جسے میں صدیوں سے برداشت کرتا چلا آ رہا ہوں میں اس دنیا میں کئی روپ دھار کر آیا ۔۔۔ مگر میرے عوام میرے ماننے والے مجھے ہمیشہ ایک ہی روپ میں نظر آئے میں نے حق اور صداقت کی بات کی اور وہ مجھے تختہ دار پر کھینچ کر لے گئے میں نے علم کا پرچار کرنا چاہا اور انہوں نے مجھ پر پتھر

پھینکے میں نے پیار کا درس دیا اور انہوں نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔ میں نے اخلاق کی قدریں بتائیں اور انہوں نے میرا تمسخر اڑایا۔ ان کے اس سلوک سے مجھے دکھ ضرور پہنچا اور میں نے اس سلوک سے کبھی درخت کے نیچے پناہ ڈھونڈھی کبھی بچوں اور بھیڑوں سے محبت کی کبھی جنگلوں میں بگولوں کے ساتھ گرم سفر رہا مگر تم جانتے ہو میں مجبور ہوں میں جس مقصد کے لئے بار بار بھیجا جاتا ہوں میں اسے ضرور پورا کر کے رہوں گا — ناصر اور نجمی بے قصور ہیں ہر شخص میرے لئے ناصر اور نجمی ہے — یہ میری باتیں نہیں سنیں گے مگر میں بولتا جاؤں گا یہ مجھے نہیں ملیں گے مگر میں ان کو ملتا رہوں گا۔

—" منصور رک کر بولا —

"یہ لوگ آخر گئے کہاں ہیں؟"

میں نے آنکھیں بند کر کے ایک گہرا سانس لیا — اور پھر آہستہ سے کہا — میرا خیال ہے وہ سیر کے لئے چلے گئے ہیں۔" منصور نے پھر مشکوک نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا —

"آخر تم ساتھ کیوں نہیں گئے — اور وہ تمہیں بتائے بغیر ہی

چلے گئے ـــــ آخر کیوں ؟" میں نے آہستہ سے کہا۔

"میرا کچھ موڈ نہیں تھا" منصور نے اسی انداز میں سوال کیا۔

"آخر کیوں ؟"

"یہ بات کوئی اپنے بس کی تو نہیں ہے ـــــ" میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا اور منصور نے لمبا اور گہرا سانس لے کر کہا ـــــ

"ہائے اے بے بسی ـــــ کاش تم لوگ اتنا تو جانتے کہ تمہارے بس میں کیا کیا ہے ـــــ" منصور کی اس بات سے میں نے بھنا کر کہا۔

"منصور! کاش تم جان سکتے کہ انسان کتنا بے بس ہے اور میرا تو خیال ہے کہ تم جانتے ہوئے بھی یہ نہیں جاننا چاہتے اور یہ خود فریبی ہے تم اپنے آپ کو دھوکے دے رہے ہو اپنے آپ کو بہلا رہے ہو مگر یہ اچھا نہیں انسان آخر کب تک اپنے آپ کو دھوکوں سے بہلا سکتا ہے یہ کھلونے بڑے عارضی ہیں آخر ایک دن ان کا رنگ روغن اتر جائے گا اور تم ان سے اکتا جاؤ گے تمہاری طبیعت کو ان سے گھن آنے لگے گی اور پھر غصے سے بے تابو ہو کر ایک بچے کی طرح مچل کر ان کھلونوں کو توڑ دو گے پھر کیا ہوگا جب یہ دھوکے یہ

بہلاوے یہ کھلونے تمہارے پاس نہ رہیں گے جن سے تم اپنا آپ
بہلاتے آرہے ہو جن سے تم اپنے آپ کو فریب دے رہے ہو کاش
تم نے کبھی اس طرح بھی سوچا ہوتا میں جانتا ہوں کہ تم ذہین ہو
تم نے مجھ سے بہت زیادہ پڑھا ہے تم ہر بات اور ہر موضوع پر بہت
دیر تک بات کر سکتے ہو کاش تم اپنے وہ تمام لبادے اتار دو
جو تم نے لوگوں کو مختلف طریقوں سے متاثر کرنے کے لئے پہن
رکھے ہیں ناصر بھائی اور نجمی تمہاری باتوں پہ کان نہیں دھرتے اور
لوگ بھی اسی طرح سے پیش آتے ہیں آخر کیوں ؟ کاش تم اپنے ذہن
سے صحت مند طریقوں سے سوچو —— یہ جو انہ کہ تم صدیوں سے برداشت
کرتے چلے آرہے ہو کہاں تک درست ہے میں تمہارا ایک دوست
ہوں آج تک میں نے تمہاری ساتھ جتنی نباہی ہے اس میں کسی
قسم کا تکلف یا زبردستی شامل نہیں تھی کاش میں تمہیں وہ رائے جو
ناصر بھائی اور نجمی تمہارے متعلق رکھتے ہیں تمہیں ان کے الفاظ میں بتا
سکتا مگر تم سمجھدار ہو اور سمجھدار اشاروں سے سب کچھ پا جاتا
ہے —— میں جانتا ہوں کہ تمہیں اس وقت میری باتوں اور جرات

پر حیرت ہو رہی ہوگی مگر یہ جرأت مجھے ابھی ابھی عطا ہوئی ہے
تمہارے آنے سے تھوڑی دیر پہلے ناصر بھائی اور نجمی سے میں تمہارے
متعلق ہی باتیں کر رہا تھا ان لوگوں کی باتوں نے جہاں میرا موڈ
بگاڑا وہاں مجھے یہ جرأت بھی بخش دی کہ تمہیں وہ سب کچھ صاف
صاف کہہ دوں جو میں محسوس کرتا ہوں اور امید ہے تم میری
صداقت پر ناراض ہونے کی بجائے ٹھنڈے دل سے ان باتوں
پر غور کرو گے اور مجھے اپنا پر خلوص دوست جان کر اپنا ہمراز
بنا لو گے —— میں مانتا ہوں کہ اس وقت ——"

"ہیلو منصور!" ناصر بھائی کی آواز آئی اور نجمی ناصر بھائی کے
ساتھ ڈرتے ڈرتے ہماری طرف بڑھا منصور نے بہت آہستہ
سے ناصر بھائی کے ہیلو کا جواب دیا —— ناصر بھائی اور نجمی منصور
سے تکلفاً گفتگو کر رہے تھے اور حال چال پوچھ رہے تھے اور منصور
کسی گہری فکر میں ڈوبا ہوا زمین پر نظریں جمائے بیٹھا تھا تھوڑی
دیر بعد منصور اٹھا اور سلام کیے بغیر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔
دو دن تک میں منصور کی تلاش میں برابر کیفوں کے چکر لگاتا

رہا جب بھی میں اس کے گھر جاتا وہ کہیں باہر جا چکا ہوتا ادھر ناصر بھائی
مری جانے کے لئے بالکل تیار تھے نجمی بیتاب تھا اسے ڈر تھا کہیں
منصور کو کہیں اس پروگرام سے آگاہ نہ کر دوں اور میں عجیب الجھن
میں گھرا ہوا تھا خدا معلوم منصور پر میری باتوں کی وجہ سے کیا
گذری ہوگی مجھے منصور سے اس درجہ سخت کلامی نہ کرنی چاہیئے تھی
میں نادم تھا اور اپنی اس ندامت کو مٹانے کے لئے میں منصور سے صرف
ایک بار ملنا چاہتا تھا دوپہر کو نجمی نے اعلان کر دیا کہ اگر میں کل ان کے
ساتھ نہ گیا تو وہ بغیر کسی لحاظ کے مری روانہ ہو جائیں گے اور میں سخت
دھوپ میں منصور کو مختلف ٹھکانوں پر ڈھونڈتا پھرا شام کو تھک کر
میں گھر پہنچا نجمی اور ناصر بھائی فلم دیکھنے گئے ہوئے تھے میں نہا کر کوٹھی کے
لان میں بیٹھ گیا اور دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ کاش میں آج منصور کو مل
لیتا اور اس سے اپنے رویے کی معافی مانگ لیتا ــــ منصور ایک
اچھے دل کا آدمی ہے وہ مجھے یوں پشیمان دیکھ کر ضرور معاف کر دیتا
میں انہیں خیالات میں کھویا ہوا تھا کہ منصور آگیا پریشان بال کھوئی کھوئی
نظریں اداس اور پیشانی پر شکنوں کا ایک جال لیئے میں نے مسکرا کر

اس کا استقبال کیا اور ملائمت سے اسے کرسی پیش کی اور وہ میری طرف نگاہ کئے بغیر کرسی پر بیٹھ گیا چند لمحے خاموشی رہی میں اس خاموشی سے کوفت محسوس کر رہا تھا اور موزوں الفاظ ڈھونڈھ رہا تھا تاکہ منصور سے معافی مانگ سکوں آخر خاموشی سے تنگ آکر میں نے نرمی سے آہستہ آہستہ کہنا شروع کیا ـــــ

"منصور صاحب! امید ہے آپ کو معلوم ہو چکا ہو گا کہ میں نے آپ کو کتنا تلاش کیا ہے؟" منصور خاموش تھا میں نے پھر سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا ـــــ

"میں کل مری جا رہا ہوں اور جانے سے پہلے چاہتا تھا کہ آپ سے مل کر اس دن کے رویے کی معافی مانگ لوں جانے کیوں جذبات کی رو میں بہہ کر میں بغیر سوچے سمجھے آپ سے اس دن بہت کچھ کہہ گیا دراصل میں نے جو کچھ بھی کہا تھا وہ وقتی غصّے سے پیدا شدہ اثرات تھے امید ہے آپ وہ بات بھلا کر مجھے اسی انداز سے ملا کریں گے۔ جس طرح ہم پہلے ایک دوسرے سے ملا کرتے تھے ـــــ" میں خاموش ہو گیا اور منصور کا سر ہلنا شروع ہوا زمین سے نظریں ہٹا کر اس نے

آسمان کی طرف دیکھا وہ منہ میں کچھ بڑبڑا رہا تھا ایک صبر آزما وقفے کے بعد اس نے سرسری طور پہ مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو تم پشیمان ہو ــــ تم اپنے رویے سے شرمندہ ہو گویا اس دن جتنی باتیں ہوئی تھیں وہ یونہی تمہارا وقتی غصہ تھا ہو سکتا ہے تم ٹھیک کہتے ہو مگر میرے لئے تمہاری اس دن کی باتیں بہت اہمیت رکھتی ہیں ــــ" وہ رک کر بولا ــــ

"اس دن تم جذبات کی رو میں بہہ کر مجھے بہت کچھ کہہ گئے تھے آج میں جذبات کی رو میں بہہ کر تمہیں بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں مگر یہ ماحول مجھے پسند نہیں تم جلدی سے کپڑے بدل آؤ ــــ" منصور خاموش ہو گیا اور میں سوچتے ہوئے جلدی سے اٹھا اور کپڑے بدل اس کے ساتھ ہو لیا منصور بہت آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہا تھا اس کی چال سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کچھ سوچ رہا ہے اور بہت مدھم رفتار سے چلتے چلتے ہم ایک کیفے کے سامنے پہنچے منصور مجھے مخاطب کر کے بولا۔

"آؤ اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو اس کیفے میں چائے پی لیں۔"

"ضرور" میں نے مسکرا کر منصور کی تائید کی اور ہم کیفے میں داخل

ہو گئے کیفے کا نیم تاریک ماحول خاموش اور اداس تھا دیواریں بیزی

کہ سیاں اور کیفے کا ریڈیو ہر شے خاموش اور سوچتی ہوئی معلوم ہوتی

تھی بیرا بہت سست رفتار میں اٹھلاتا ہوا ہمارے قریب آکر خاموشی

سے مؤدبانہ کھڑا ہو گیا منصور نے بھی اشارے میں اسے چائے کا

آرڈر دیا اور مجھے سرگوشی میں کہا ــــــ

”یہ کیفے میر کا سرہانہ ہے یہاں بولنے کی ممانعت نہیں بلند آواز

میں بولنے کی ممانعت ہے“ اور منصور دھیرے سے گنگنایا ــ

سرہانے میر کے آہستہ بولو

میں بڑے غور سے منصور کی بات سن رہا تھا منصور کو اس موڈ

میں دیکھ کر مجھے قدرے سکون ہوا تھوڑی دیر بعد چائے آگئی اور

چائے پیتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ کیفے کا ریڈیو خاموش نہیں

بلکہ نہایت مدھم آواز میں اپنے فرائض سرانجام دے رہا ہے ہوٹل

کے پنکھے بڑی شاہانہ اور پروقار رفتار سے نہایت بے نیازی کے

ساتھ ہم تک ہلکی ہلکی ہوا پہنچا رہے ہیں اور اس خواب آور ماحول

میں منصور نے آہستہ آہستہ بولنا شروع کیا۔

"میاں! اس دن شام کو جو کچھ تم نے مجھے کہا تھا وہ باتیں میری زندگی میں بہت بڑی اہمیت رکھتی ہیں وہ دن میرا مطلب ہے وہ شام میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا جس نے میری زندگی کو یکسر بدل دیا میں پہلے ہی جانتا تھا کہ تم ہونہار بچے ہو اور مجھے تم سے اسی رویے کی امید تھی تمہاری باتوں نے وقتی طور پر مجھے واقعی بہت صدمہ پہنچایا تھا اگر اس وقت تمہارا بھائی ناصر اور رخمی نہ آجاتے تو ہو سکتا تھا کہ میں تمہاری باتوں کا تمہیں معقول جواب دے کر مطمئن کر دیتا مگر ان کی آمد نے مجھے مجبور کر دیا اور میں تمہاری اس بے تکلف گفتگو کا بوجھ اپنے کندھوں پر لادے گھر آ گیا پچھلے تین دن تک میں تمہاری باتوں کو ہضم کرتا رہا اور آخر میں کامیاب ہو گیا آج میں تمہیں اپنے اعتماد میں لیتے ہوئے وہ تمام لبادے اتار دینا چاہتا ہوں جو میں نے دنیا کو متاثر کرنے کے لئے پہن رکھے ہیں ــــ" منصور رک گیا اور چائے کا آخری گھونٹ پی کر اس نے بڑی آہستگی سے سگریٹ سلگایا اور ایک دو ہلکے ہلکے کش لگا کر وہ پھر گویا ہوا: "دراصل بات یہ ہے کہ میں نے اپنی زندگی کا زیادہ وقت کھیل کود اور دوستوں میں گذارنے کی بجائے تنہائی میں کتابیں

پڑھ پڑھ کر گذارا ہے قدرت نے مجھے جو چہرہ عطا کیا ہے اس ساخت بھی کچھ ایسی ہے کہ شوخی اس پر بھلی معلوم نہیں ہوتی اور پھر تم جانتے ہو کہ اس پر میں بچپن سے ایک عینک کا اضافہ بھی کر چکا ہوں اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ میرا کوئی بھائی بہن نہیں لے دے کے تم لوگ ہی میرے ملنے والے تھے تو اس صورت میں تمام چیزیں مل کر ایک ایسی شکل اختیار کر گئیں کہ میں منصور سے منصور جینئیس کہلانے لگا سکول سے لے کر کالج تک جتنے لڑکے بھی میں نے دیکھے ان سب میں کوئی نہ کوئی خوبی ضرور تھی کوئی خوب صورت تھا کوئی سمارٹ تھا کوئی امیر تھا اور کوئی عمدہ کپڑے پہنتا تھا اور میرے پاس لے دے کر ایک سنجیدہ چہرہ اور موٹے شیشوں کا ایک چشمہ تھا۔ اور ان چیزوں کی اہمیت کا احساس دلانے کے لئے میں نے مطالعہ کیا مگر اس میں بھی جب مجھے کامیابی نہ ہوئی تو میں نے مختلف لبادے اوڑھنے شروع کر دیئے اور اس بات کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں آن کی آن میں جینئیس کہلانے لگا اس القاب نے مجھے بہت تسکین بخشی اور میں نے اس کمی کو پورا کر دیا جس کا مجھے شدت سے احساس تھا اور پھر تمام لڑکے میری

شخصیت سے متاثر ہونے لگے جس رفتار سے وہ میری طرف توجہ
کرتے تھے اسی رفتار سے میرے لبادوں میں اضافہ ہوتا جاتا تھا جس
کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں جوانی میں بوڑھا ہو گیا خزاں کی ویرانیوں کو دیکھ کر جب
تم لوگ بیزار ہو جایا کرتے تھے تو میں بڑھ کر اس ویرانی کے حسن کی مدّاح
سرائی کیا کرتا تھا خشک اور زرد پتوں میں تمہیں حسن کا احساس دلایا
کرتا تھا اور جب بہار کی آمد آمد پر تم لوگ پھولوں اور کلیوں کا اشتیاق
سے ذکر کرتے تھے اور سبز گھاس پر بیٹھ کر اوس کے قطروں سے کھیلا
کرتے تھے میں بیزار نظروں سے تمہیں دیکھ کر بڑبڑایا کرتا تھا اور
یہ کہہ کر اپنے آپ کو برتر ثابت کیا کرتا تھا کہ تم لوگوں کا مذاق بہت
عامیانہ ہے تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میری باتوں سے تم لوگ ندامت
محسوس کیا کرتے تھے اور دل ہی دل میں میری انفرادیت اور عظمت
کا اعتراف بھی کرتے تھے اور میں اس خود فریبی میں بہت کامیاب تھا
میری نظر میں بہار واقعی اتنی حقیر ہو گئی تھی جتنی کہ میں بیان کیا کرتا تھا
مگر میری وہ تمام حرکات غیر قدرتی تھیں میں نے کئی بار رات کی تاریکی
کو دن کی روشنی پر ترجیح دیا چاندنی راتوں کو اپنے کمرے کی کھڑکیاں بند

کر کے چاندنی کے عامیانہ حسن کا مذاق اڑایا مسکراتے ہوئے تازہ رنگوں کے پھولوں کی اہمیت کو زرد اور خشک پتوں میں دفن کیا موسم گرما کے سرد سایوں سے گریز کر کے تمہیں کڑکتی ہوئی دھوپ میں ٹھہرائے رکھا قیمتی اور خوبصورت تراش کے کپڑوں پہ طنزیہ ہنسی ہنسا حسین اور جاذبِ نظر لڑکیوں کو یہ کہہ کر نظر انداز کر دیا کہ یہ جاہل ہیں اور اس طرح علم کا پرچار کر کر کے میں نے تم لوگوں کی جہالت سے پورا فائدہ اٹھایا مگر تم جانتے ہو اور اگر نہیں جانتے تھے تو اب ضرور جان گئے ہو گے کہ وہ سب کچھ غلط تھا میں نے مختلف لبادے اوڑھ کر قدرت کے حسن کو دھندلانا چاہا تھا اپنے آپ کو فریب دیتے ہوئے تم لوگوں کو بھی دھوکے دیئے تھے مگر وہ میں نہیں تھا آج تک جو کچھ بھی تمہارے ساتھ ہوا وہ میں نے نہیں کیا آج تک جو شخص بھی بولتا رہا وہ میں منصور نہیں تھا وہ جینئس تھا جو تم لوگوں نے مجھے سونپا تھا جو اس ماحول نے مجھے دیا تھا اور اس جینئس کی ہر بات میں دھوکہ تھا فریب اور مکاری تھی کیونکہ وہ جینئس قدرت کا پیدا کیا ہوا نہیں تھا اس ماحول کا بنایا ہوا تھا اور یہ جینئس قدرت کا مذاق اڑاتے اڑاتے خود ایک مضحکہ خیز صورت

اختیار کر گیا رفتہ رفتہ لوگ اس کی باتوں سے اکتا گئے مگر وہ بولتا رہا
لوگ اسے ملتے ہوئے گھبراتے تھے مگر وہ بدستور ملتا رہا گھروں میں کیفے
میں اور راہوں میں وہ تمہارا راستہ روک لیتا اور دیر تک تمہیں
وہ باتیں منواتا رہتا جنہیں تمہارا دل نہ مانتا تھا اور آخر کار وہ دن
بھی آ گیا جب ان تمام باتوں سے بیزار ہو کر ایک شخص نے بغاوت
کی اس نے حوصلہ کر کے وہ سب کچھ اسے کہہ دیا جو وہ محسوس کرتا
تھا اور وہ دن گو بہت دیر سے آیا ہے مگر پھر بھی جلد آ گیا ہے کیونکہ اس
نے اتنی دیر کے بگڑے ہوئے ایک انسان پر بہت بڑا اثر کیا ہے اور
میں فخر کرتا ہوں اور داد دیتا ہوں تمہارے اس حوصلے کی کیونکہ لوگ بھی میرے
متعلق یہی محسوس کرتے تھے جو تم نے محسوس کیا مگر وہ مجھے کہہ نہ سکتے تھے
اور اس وقت اگر تمہیں غصہ نہ آتا یا تم جذبات کی رو میں نہ بہتے تو تم
اچھی طرح جانتے ہو کہ یہ مبارک دن نہ آتا ـــــ " منصور خاموش ہو گیا اور
منصور کی یہ باتیں سن کر خوشی سے میری آنکھیں نم آلود ہو گئیں اور پھر
منصور نے چشمہ اتار کر اسے رومال سے صاف کیا مسکرا کر اپنے بال
درست کئے سرگوشی میں بیرے کو بلا کر بل ادا کیا اور ہم دبے پاؤں

میر کے تکیئے سے باہر آ گئے باہر ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی اداس اور
خاموش آسمان پر ہلکے ہلکے سفید بادل دبے پاؤں سست رفتار میں
بہہ رہے تھے اب منصور خوش تھا اور مسکرا رہا تھا اور میں مدھم رفتار سے
آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا نہ جانے کس سوچ میں گم تھا۔۔۔۔
کوٹھی کے قریب پہنچ کر منصور رک گیا اور میرے کندھے پہ ہاتھ
رکھ کر بڑے شگفتہ لہجے میں بولا۔۔۔
"اچھا بھئی! کل تم لوگ مری جا رہے ہو میں صبح اپنا سامان لے
کر تمہارے یہاں پہنچ جاؤں گا میرا انتظار کرنا اور ہاں تم لوگ مری میں
میرے مہمان ہو گے اور دیکھو یہ بات ناصر اور نجمی کو بڑے شوق سے
بتا دینا میں جانتا ہوں انہیں یقین نہیں آئے گا مگر تم مطمئن رہنا میں
ان کے تمام شکوک دور کر دوں گا۔۔۔
رات کو میں ناصر بھائی کو منصور کی باتیں سنا رہا تھا اور ناصر بھائی
قہقہے لگا رہا تھا میری بات ختم ہونے پر انہوں نے نرمی سے کہا۔
"میاں! تم نے خواب اچھا دیکھا ہے کاش ایسا ہو سکتا۔۔۔ مگر
خواب اور حقیقت میں بہت فرق ہے۔" یہ کہہ کر ناصر بھائی سونے

کے لئے چل دیئے اور میں دیر تک بیٹھا غصّہ پیتا رہا صبح بخمی آیا اور میں نے جلدی سے بڑھ کر اسے منصور کی تمام بات سے آگاہ کیا بخمی پہلے تو ناصر بھائی کی طرف ہنستا رہا مگر جب اس نے یہ سنا کہ منصور آ رہا ہے تو وہ گھبرا کر بولا ـــــ

"گو تم نے سارا خواب دیکھا ہے مگر یہ ضرور ہوا ہو گا کہ منصور کل تمہیں ملا ہو ـــــ ہائے غضب ہو گیا اب وہ بھی مری جائے گا تو اب مری کا پروگرام ختم ہم لوگ لاہور میں رہیں گے ـــــ" مجھے کچھ کچھ ڈھارس ہوئی خیر اتنا ہی کافی ہے کہ بخمی مان گیا تھا کہ میں کل منصور سے ملا ہوں! اتنے میں ناصر بھائی نے آ کر پھر میری ساری کوشش پر پانی پھیر دیا اور مسکرا کر بخمی سے کہنے لگے کہ اس کا دماغ چل گیا ہے عجیب عجیب ان ہونی باتیں خوابوں میں دیکھ کر دل خوش کرتا ہے آخر ناصر بھائی کی باتوں کو سن کر بخمی بھی مان گیا ـــــ

میں شدت سے منصور کا انتظار کر رہا تھا جوں جوں وقت گذرتا جاتا مجھے حقیقت خواب میں بدلتی ہوئی محسوس ہوتی آخر گاڑی کا وقت قریب آگیا اور نوکر تانگا لینے چلا گیا اس وقت مجھے یقین

ہوگیا کہ میں نے واقعی خواب دیکھا تھا اور اگر یہ خواب نہیں تھا تو منصورؔ صبح کیوں نہیں آیا اس نے تو وعدہ کیا تھا ـــــ نجمی بہت خوش تھا اور وہ بڑے اچھے موڈ میں نوکر سے سامان نکلوا رہا تھا اب جو تانگہ کوٹھی میں داخل ہوا تو اس میں منصور بیٹھا تھا میں نے فرطِ مسرت سے چیخ کر منصورؔ کو پکارا اور تانگے سے ایک شخص نمودار ہوا جس نے سرخ رنگ کی چیک قمیض پہنی ہوئی تھی اس کے چہرے پر بڑی شگفتہ مسکراہٹ تھی اور اس کے سفید دانت چمک رہے تھے بال ترشے ہوئے تھے اور انہیں بڑے سلیقے سے سنوارا ہوا تھا منصور نے بڑھ کر ناصر اور نجمی سے ہاتھ ملایا وہ دونوں حیران تھے منصور یکسر بدلا ہوا تھا نجمی کا تمام خوف جاتا رہا اور وہ گھل مل کر منصور سے باتیں کر رہا تھا ناصر بھائی بھی ان میں شریک تھے ہم سب تانگے میں سامان لدوا کر اسٹیشن پہنچے ـــــ

گاڑی آنے میں ابھی کچھ دیر تھی پلیٹ فارم پر منصور بالکل بچوں کی سی حرکتیں کر رہا تھا ایک شخص سے اس نے وقت پوچھا اس نے بڑی شرافت سے مسکرا کر جواب دیا ـــــ "سوا نین" اور آگے بڑھ گیا منصور نے لپک کر اسے روکا اور اپنی کلائی پر گھڑی میں وقت دیکھ کر بولا ـــــ

"معاف کیجیے! آپ کی گھڑی پورے دس منٹ پیچھے ہے اس وقت تین بج کر پچیس منٹ ہوئے ہیں ـــــ" یہ کہہ کر منصور آگے بڑھ گیا اور وہ شخص دیر تک وہیں کھڑا بڑبڑاتا رہا ـــــ

میں کچھ خاموش تھا نجمی ناصر بھائی اور منصور اسی قسم کی حرکتیں کرتے رہے آخر میں نے تنگ آکر کہا ـــــ

"یہ تم لوگ آخر مسخرا بننے کی کوشش کیوں کر رہے ہو عوام میں اور تم میں کوئی نمایاں فرق نہیں ـــــ" نجمی اور ناصر نے تو میری بات کا برا مانا مگر منصور نے حیرت سے مجھے دیکھ کر بلند آواز میں کہا۔

"بچو! یہ جینیئس ہو گیا ہے۔" گاڑی آگئی اور ہم اچھی جگہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے عجیب بات ہے نجمی ناصر بھائی اور منصور بہت خوش تھے مگر میں کچھ اداس اور خاموش تھا اب وہ لوگ مجھے بور اور جینیئس کہنے لگے تھے ـــــ